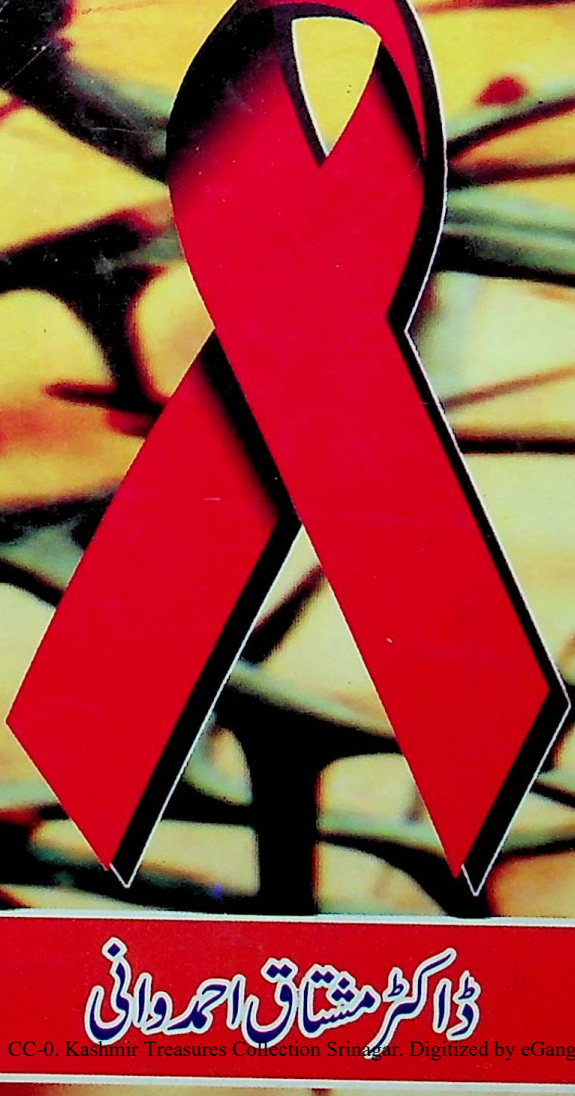
میٹھا زہر

(افسانے)



ڈاکٹر مشتاق احمد وانی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri



CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میٹھا زہر

(افسانے)

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

© جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

اس افسانوی مجموعے کے تمام کردار اور واقعات فرضی ہیں۔

MEETHA ZEHAR

(Short Stories)

by

Dr. Mushtaq Ahmad Wani

Year of Ist Edition 2008
ISBN 978-81-8223-405-6
Price Rs. 150/-

نام کتاب	میٹھا زہر (افسانے)
مصنف	ڈاکٹر مشتاق احمد وانی
سنِ اشاعت اوّل	۲۰۰۸ء
کمپوزنگ	افضل حسین بستوی، دہلی (Mob: 9868594259)
قیمت	۱۵۰ روپے
مطبع	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انتساب

اس افسانوی مجموعے کے اہم کرداروں کے نام

یعنی

افسانہ ''دوہری مار'' کے مرکزی کردار فیضان کے نام جو امن پسند اور بے قصور ہونے کے باوجود مفلوج بنا دیا گیا۔

افسانہ ''کوفت'' کے راجندر یادو کے نام جو نہ صرف اپنے گھر بل کہ گھر سے باہر بھی ناخوشگوار حالات و واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔

افسانہ ''درد بھری راتیں'' کے حسن دین اور ظہیرہ بیگم کے نام جن کے ذہن پہ تلخ یادیں بار بار دستک دیتی ہیں اور اُس کم سن بچے کے نام جس نے اپنی مطلوقہ غریب ماں کے سامنے آدھی رات کو اسپتال میں دم توڑ دیا۔

افسانہ ''مجبوری'' کی چندرا اور پھول چند کے نام جن کی بے میل شادی نے کیول کرشن جیسے بدمعاش کے لئے گھر کے تمام دروازے کھول دیئے۔

افسانہ ''جنم بھومی کے آنسو'' کے نادر چچا کے نام جن کی آنکھیں اپنے وطن (ہندوستان) کو خوشحال دیکھنے کے لئے ترس رہی ہیں اور جن کی آخری تمنا یہ ہے کہ وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنے وطن کی مٹی سے جدا نہ ہوں۔

افسانہ ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' کے دلدار صاحب کے نام جنہوں نے ریل سے اُتر کر پلیٹ فارم پہ گدڑیوں میں لپٹے ایک نومولود لاوارث بچے کو اُٹھا کر اپنے گھر میں لایا۔

''افسانہ ''بیٹی'' کے مدن ورما کے نام کہ جس نے اپنے دوست کو یہ احساس دلایا کہ بیٹی بہت وفادار، گھر کی رونق اور خوش نصیبی کی علامت ہوتی ہے۔

افسانہ ''شرافت'' کے رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی کے نام کہ جن پر جھوٹا الزام لگوایا گیا۔

افسانہ ''افراتفری میں کھڑا آدمی'' کے نظر محمد کے نام کہ جو اپنے دوست کے بیٹے کی شادی میں جانے کے باوجود بھوکا پیاسا واپس گھر آیا۔

افسانہ ''چور'' کے غلام نبی کے نام کہ جو ریلوے اسٹیشن پہ ایک اجنبی آدمی کے فریب میں آ کر لُوٹا گیا۔

افسانہ ''پنجرے میں مورنی'' کی چنچل رانی کے نام کہ جس کے باپ نے چنچل کے سُسر کو دیکھ کر اُس کا رشتہ ایک ایسے لڑکے سے کر دیا جو صورت و سیرت کے لحاظ سے چنچل کے لائق نہ تھا۔

افسانہ ''میٹھا زہر'' کے رامیشور اور سنگیتا کے نام کہ جن کی کہانی موجودہ معاشرے کی ایک المناک کہانی ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی
Dr. Mushtaq Ahmed Wani
Qrt. No. C-8, Chenani (Colony)
Distt. Udhampur (J&K)
Mobile 09419336120

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ترتیب

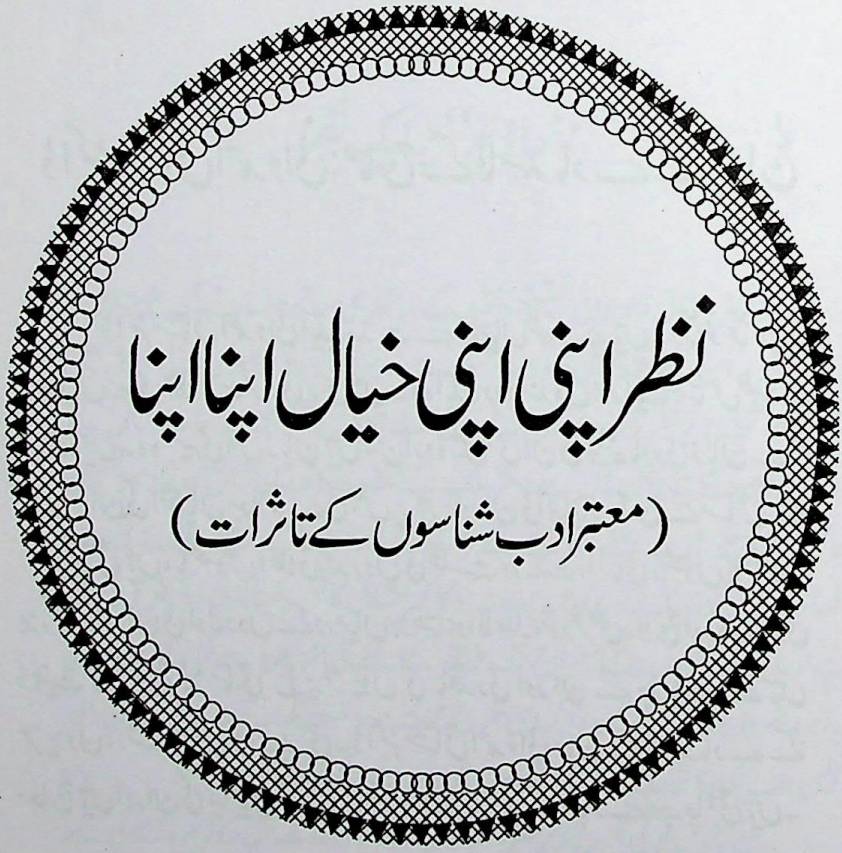
۱	انتساب	ڈاکٹر مشتاق احمد وانی	۵
۲	نظر اپنی اپنی خیال اپنا اپنا	(معتبر ادب شناسوں کے تاثرات)	۷
۳	ڈاکٹر مشتاق احمد وانی: سماج کے فاسد مادے کے معالج	پروفیسر گوپی چند نارنگ	۸
۴	''میٹھا زہر'' پر ایک نظر	پروفیسر ظہور الدین	۹
۵	دو لفظ	پروفیسر وہاب اشرفی	۱۲
۶	ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کے افسانے: ایک تاثر	پروفیسر حامدی کاشمیری	۱۴
۷	مکرمی ڈاکٹر مشتاق احمد وانی صاحب	پروفیسر قمر رئیس	۱۵
۸	مشتاق احمد وانی کو انسانی قدریں نہایت عزیز ہیں	جوگندر پال	۱۶
۹	مشتاق احمد وانی کا افسانوی فن	پروفیسر عتیق اللہ	۱۷
۱۰	کہانیوں کا مشتاق ـــــ مشتاق احمد وانی	ڈاکٹر ارتضیٰ کریم	۲۰
۱۱	سماجی درد کی کہانیاں	ڈاکٹر علی احمد فاطمی	۲۳
۱۲	زندگی کے آئینے سے جھانکتی ہوئی کہانیاں	انیس امروہوی	۲۹
۱۳	ڈاکٹر مشتاق احمد وانی: انسانی زندگی کے سچے عکاس	ڈاکٹر اسلم جمشید پوری	۳۲
۱۴	''میٹھا زہر'' کی کڑوی سچائی	دیپک بُدکی	۳۴
۱۵	ڈاکٹر مشتاق احمد وانی: سنجیدہ، معتبر اور وسیع فکر و نظر کا ادیب	محمد شاہد پٹھان	۳۸
۱۶	''میٹھا زہر'' ایک عمومی جائزہ	ڈاکٹر ریاض احمد	۴۸

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

افسانے

	افسانے	۵۲
۱	دوہری مار	۵۳
۲	کوفت	۶۴
۳	دردبھری راتیں	۷۲
۴	مجبوری	۷۹
۵	جنم بھومی کے آنسو	۹۴
۶	دل ودماغ میں گھومتی کیل	۱۰۴
۷	بیٹی	۱۱۵
۸	شرافت	۱۲۱
۹	افراتفری میں کھڑا آدمی	۱۳۴
۱۰	چور	۱۴۳
۱۱	پنجرے میں مورنی	۱۵۳
۱۲	میٹھا زہر	۱۷۰

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri



CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر گوپی چند نارنگ

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی: سماج کے فاسد مادے کے معالج

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی ایک مُدّت سے کہانیاں لکھ رہے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ان کی کہانیاں میری نگاہ سے گزرتی رہی ہیں۔ وہ ایک دردمند دل اور ایک حساس طبیعت رکھتے ہیں۔ وہ کشمیری اہل زبان ہیں لیکن اُردو میں بھی ان کی پینٹھ مادری زبان سے کم نہیں۔ ان کی انگلیاں معاشرے کی نبض پر ہیں اور ان کی کہانیاں آج کے مسائل کے گرد گھومتی ہیں، بالخصوص اخلاقی قدروں کی شکست وریخت، انسانی رشتوں کا بکھرنا، بزرگوں اور ان کی اولادوں کے درمیان بڑھتا ہوا فاصلہ، خودغرضی، لالچ اور کاروباری ذہنیت کا فروغ نیز سماجی سطح پر لڑکیوں کی ناقدری اور ان کے جذبات کے تئیں عزیزوں، رشتہ داروں کی بے حسی۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی سماج کے فاسد مادے کے معالج ہیں اور ان کی کہانیاں ترسیل، تاثیر اور دردمندی کے اعتبار سے توجہ چاہتی ہیں۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ
صدر ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر ظہورالدین

''میٹھا زہر'' پر ایک نظر

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی تحقیق وتنقید کے ساتھ ہی ساتھ افسانے بھی لکھتے ہیں۔ زیرِنظر مجموعہ اُن کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ پہلا مجموعہ ''ہزاروں غم'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا تھا۔ زیرِنظر مجموعے میں شامل اُن کے افسانے گذشتہ چھ سات سال کے دوران لکھے گئے ہیں جن میں سے اکثر ملک کے مختلف جرائد میں شائع ہوکر داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔ پہلے مجموعے کے افسانوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر ان افسانوں کو دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مشتاق کا فن یقیناً ارتقاء کی طرف مائل ہے اور اگرچہ ابھی اُسے فنی معراج تک پہنچنے کے لئے کئی منزلوں سے گزرنا ہے پھر بھی یہ امید ضرور بندھتی ہے کہ وہ اگر اسی طرح محنت وریاضت کرتے رہے تو وہ دن دُور نہیں جب اُن کا شمار اچھے افسانہ نگاروں میں ہونے لگے گا۔

پہلے مجموعے کی طرح زیرِنظر افسانوں کے موضوعات بھی روزمرہ زندگی سے ہی لئے گئے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے اکثر ہمارے دور کے اہم سماجی مسائل کا احاطہ کرتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ مثلاً ''دوہری مار'' میں وہ اگرملی ٹینسی کے نتائج کو موضوع بناتے ہیں ''تو افراتفری میں کھڑا آدمی'' میں وہ نئی تہذیب کے اُن منفی پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں جن کی وجہ سے کسی شریف سیدھے سادے انسان کا جینا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اجیرن ہو گیا ہے۔ اسی طرح ''چور'' میں اگر وہ ایک ریلوے اسٹیشن پر کسی کو لُٹتے ہوئے دکھاتے ہیں تو ''میٹھا زہر'' میں جو اس مجموعے کا عنوان بھی ہے، ایڈز کی بیماری کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ کو موضوع بناتے ہیں۔ ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' میں اُس جنسی بے راہ روی کو پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں لاوارث بچے اسٹیشنوں، بس اڈوں اور جلسوں، بازاروں میں رُلتے نظر آتے ہیں۔ ''کوفت'' میں ٹیلی فون لگوانے سے پیدا ہونے والی مالی و ذہنی کوفت کو موضوع بناتے ہیں۔ ''مجبوری'' میں بے میل شادی سے پیدا ہونے والی بدعتوں پر قلم اٹھایا ہے۔ ''بیٹی'' میں اُن سماجی روّیوں پر روشنی ڈالی ہے جو اُسے گھن کی طرح صدیوں سے چاٹے جا رہے ہیں، اور جن کی وجہ سے بیٹیاں ہمیشہ سے انسانی نظام کی اندھی بھٹی میں کلتی سڑتی چلی آ رہی ہیں۔ تاہم افسانے کے انجام سے یہ امید ضرور بندھتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب ان روّیوں میں بھی ضرور تبدیلی آئے گی اور بیٹی کو سچ مچ گھر کی زینت سمجھا جانے لگے گا۔ ''درد بھری راتیں'' میں بچّوں کے اسپتال کے منظر کو پیش کیا گیا ہے۔ ''جنم بھومی کے آنسو'' میں ایک بار پھر ملی ٹینسی سے پیدا ہونے والے اُن مسائل کو موضوع بنایا ہے جن کی وجہ سے عام انسان کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ ''شرافت'' میں نیکی اور بدی، خیر اور شر کی آویزش کو پیش کیا ہے جس میں بالآخر خیر کو فتح حاصل ہوتی ہے۔

اِن حقائق کی روشنی میں بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ مُصنّف نے اپنے دور کے اکثر مسائل پر قلم اٹھایا ہے، جس سے اِن افسانوں کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فنی اعتبار سے بھی اگرچہ اِن افسانوں میں ہم مصنف کی فنی بصیرت کو ترقی کی طرف مائل پاتے ہیں لیکن اِس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ واقعات کی بنت، پلاٹ کی تشکیل اور کردار نگاری کا جہاں تک تعلق ہے ابھی انہیں کچھ اور منزلیں طے کرنے کی ضرورت ہے اُس کے بعد ہی وہ ہمیں کچھ ایسے افسانے دے سکیں گے، جنہیں فراموش کرنا محال ہوگا۔ اسی طرح افسانے کے مجموعی تاثر کی طرف بھی مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے موضوع یا تجربے کی وحدت کے ساتھ ہی ساتھ زبان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پر دسترس بھی ضروری ہے۔

اس کے بعد افسانے میں جادوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ افسانے کے پلاٹ میں غیر ضروری طوالت یا غیر ضروری واقعات کی موجودگی اس کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح کردار نگاری کے سلسلے میں اُن اعمال کا انتخاب ضروری ہوتا ہے جو بھرپور تاثر کے ساتھ ہی ساتھ کردار کی شخصیت کو بھی پوری طرح آشکار کر دیں۔ مصنف نے اِن سبھی پہلوؤں پر مقدور بھر توجہ تو دی ہے پر جیسا پہلے بھی کہا گیا، اس طرف مزید توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ امید ہے، جس طرح وہ محنت کر رہے ہیں، وہ دن دور نہیں جب اُن سے ہمیں ان سے بھی بہتر افسانے پڑھنے کو ملیں گے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

پروفیسر ظہور الدین
سابق صدر شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی، جموں توی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر وہاب اشرفی

دو لفظ

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی ایک عرصے سے تنقید، تحقیق اور تخلیق کے سلسلے میں اپنی سرگرمیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ اُن کی کاوشیں جہات کے لحاظ سے وسیع پس منظر پیش کرتی ہیں۔ انہوں نے تحقیقی مضامین بھی لکھے ہیں اور تنقیدی بھی۔ اس ضمن میں اُن کی کتاب ''آئینہ در آئینہ'' لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے۔ ایک تحقیقی کتاب ''تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران'' بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ مشتاق احمد وانی نے تخلیقی روش اپنائی تو صرف افسانے کا انتخاب کیا اور مختلف رسالوں میں اپنے افسانے چھپواتے رہے۔ اس طرح اس میدان میں بھی ان کی شناخت ہوتی رہی ہے۔ ایک افسانوی مجموعہ ''ہزاروں غم'' کے عنوان سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہو چکا ہے اور دوسرا طباعت کے لئے تیار ہے۔

فی الوقت اُن کے چند افسانے میرے پیش نظر ہیں مثلاً ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' افراتفری میں کھڑا آدمی'' ''دوہری مار'' ''پنجرے میں مورنی'' ''کوفت'' ''چور'' ''میٹھا زہر'' ''بیٹی'' ''مجبوری'' ''جنم بھومی کے آنسو'' ''درد بھری راتیں'' اور ''شرافت'' ان کے مطالعے سے ڈاکٹر مشتاق کے مزاج کا تنوع اور تجربے و مشاہدے کی سمتوں کا پتا چلتا ہے۔ وہ کسی ایک رویّے اور رُخ میں بند نہیں۔ کہیں کہیں تو فلسفیانہ مباحث میں بھی دخیل ہو جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ پیچیدہ امور کو تخلیقی طور دے سکیں۔ ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' دوسرے پہلوؤں کے علاوہ فکر کی بعض کیفیتوں پر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

محیط ہے۔ اسی طرح ''افراتفری میں کھڑا آدمی'' دراصل انسان کے ازلی تذبذب کو واضح کرتا ہے۔ آج کا آدمی جس انتشار کا شکار ہے وہ اُسے کہیں سنبھلنے نہیں دیتا اور اس کی زندگی مسلسل پیچیدہ ہوتی جاتی ہے اور ایک طرح کا لاینحل مسئلہ اس کے سامنے ہوتا ہے بعض افسانے قطعی الگ نوعیت کے ہیں جیسے ''دوہری مار'' اور ''پنجرے میں مورنی'' ان دونوں افسانوں میں زندگی کی بعض اہم شقوں کو افسانہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک افسانہ ''کوفت'' کی اہمیت یوں محسوس کی جاسکتی ہے کہ اس میں عصری حالات کی کئی صورتیں اُبھر گئی ہیں۔ بیٹی اور بیوی بہت سے افسانہ نگاروں کا موضوع رہی ہیں۔ یہاں ایک مختصر افسانہ ''بیٹی'' میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ وہ تمام تر ممانعات کے باوجود گھر کی زینت ہے۔ افسانے میں ایک طرح کی آئرنی ملتی ہے جو اس کو قابل مطالعہ بناتی ہے۔

اُردو افسانہ نگاروں نے ہجرت کے موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ چند نے اس باب میں ایسا امتیاز پیدا کیا ہے کہ وہ اُردو دُنیا میں معروف بھی ہیں اور ممتاز بھی۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی نے اس موضوع پر بھی ایک افسانہ قلم بند کیا ہے۔ عنوان ہے ''جنم بھومی کے آنسو'' تاثر کے لحاظ سے اس افسانے کو کامیاب کہا جاسکتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی تخلیقی اعتبار سے زمانے اور اس کے خدوخال پر نظر رکھتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ ان کا واضح بیانیہ اثرات بھی قائم کرے۔ آج بدلتے ہوئے افسانوی مزاج و منہاج نیز معیار میں ایسے افسانوں کو بعض لوگ پس پشت ڈال سکتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آج بھی عام قاری کے لئے اس طرح کے افسانوں کی ضرورت ہے۔ میری رائے میں متعلقہ مجموعہ ادبی حلقوں میں مقبول ہوگا۔

پروفیسر وہاب اشرفی
اشرفی ہاوس، ہارون نگر، سیکٹر-۲، پھلواری شریف، پٹنہ، ۸۰۱۵۰۵

مورخہ ۵/اکتوبر ۲۰۰۷ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر حامدی کاشمیری

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کے افسانے: ایک تاثر

مابعد جدیدیت کے موجودہ دَور میں زندگی، کائنات اور ادب کے اظہارات اور معنویات کے بارے میں تکثیریت کی صورتحال پیدا ہوگئی ہے۔ فکشن کے حوالے سے بھی کیفتی لحاظ سے افسانہ نگاری میں مختلف النّوع صورتوں اور درجوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ یہ درجہ بندی افسانوں کی ہیئت اور تکنیک کے افتراق سے نمایاں ہوجاتی ہے۔ آج بھی ایسے افسانہ نگار موجود ہیں۔ جو داستانوی انداز میں تمامتر بیانیہ سے کام لے کے اپنے قارئین کے لئے افسانے لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی اس نوع کے افسانہ نگاروں میں اپنی حیثیت منوا چکے ہیں۔

اُن کی ہُنر مندی اور ادراکیت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ بہت کم وقت میں بعض رسائل کے توسط سے قارئین تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ وہ وضاحتی اور تکراری انداز میں بیانیہ پر تکیہ تو کرتے ہیں مگر بیان کنندہ اخلاقی نظریے کے تحت خلوص اور سچائی سے اپنے خیالی کرداروں کو سامنے لاتے ہیں۔ طرز بیان کی طوالت اور تکراریت کی موجودگی کے باوجود اور خارجی حقیقت سے وابستہ رہنے کے باوجود وہ کہانی کہتے ہیں اور اپنے سماجی اور اخلاقی مقصد کی پیش کش خوبی سے کرتے ہیں۔ ایک توضیحی، تکراری اور طوالت آشنا بیان کے باوجود اُن کے افسانے پڑھے جانے کی ترغیب دیتے ہیں، یہ بڑی بات ہے۔

پروفیسر حامدی کاشمیری
سابق وائس چانسلر و صدر شعبۂ اُردو، کشمیر یونیورسٹی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر قمر رئیس

مکرمی ڈاکٹر مشتاق احمد وانی صاحب

تسلیم!

پٹنہ کے سفر سے پرسوں واپس آیا تو آپ کی دو کتابیں اور خط نیز کہانیاں ملیں۔ شکر گزار ہوں۔

آپ کی تحریریں رسائل میں پڑھتا رہا ہوں۔ بہت اچھی تنقیدی بصیرت رکھتے ہیں۔ افسانے کم پڑھ سکا ہوں۔ ''ہزاروں غم'' کے افسانے ضرور پڑھوں گا۔ ذرا فراغت ملے بس۔ آج کل کئی لایعنی مصروفیات میں اُلجھا ہوا ہوں۔

''دوہری مار'' کہانی بھی پڑھی۔ کشمیر کے موجودہ حالات اور جبر و تشدّد کے واقعات کے پس منظر میں آپ نے گہری انسانی دردمندی سے اس کا تانا بانا بُنا ہے۔ افسوس ہے کہ میرا سہ ماہی پرچہ ''نیا سفر'' آج کل نہیں شائع ہو رہا ہے۔ ورنہ اس میں دے دیتا۔ سرکاری پرچوں میں یہ شائع نہیں ہو سکے گا۔

دوسری مطبوعہ کہانی ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' بھی موضوعاتی و فنی اعتبار سے کافی متاثر کن ہے۔ یہ جان کر دُکھ ہوا کہ آپ جیسی صلاحیتوں کے ادیب اور ناقد کو ابھی تک یونیورسٹی میں ملازمت نہیں مل سکی۔ میں ۱۶ مئی سے ۲۰ مئی ۲۰۰۷ء تک ایک ادبی فنکشن کے سلسلے میں سری نگر میں رہوں گا۔ آپ وہاں ہوئے تو شاید ملاقات ہو سکے مجھے خوشی ہوگی۔

خیر طلب :- قمر رئیس
صدر کل ہند ترقی پسند مصنفین
۱۸/اپریل ۲۰۰۷ء.

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جوگندر پال

مشتاق احمد وانی کو انسانی قدریں نہایت عزیز ہیں

مشتاق احمد وانی سے میں کبھی مل نہیں پایا اور اُس کی چند ایک کہانیاں ہی میرے مطالعے میں آ پائی ہیں، پھر بھی اُسے پڑھتے ہوئے مجھے ہر بار یہی معلوم ہوا کہ ایک جانے پہنچانے نہایت نیک انسان کی رفاقت کے چند خوشگوار لمحات میسر آ گئے ہیں۔

وانی کو انسانی قدریں نہایت عزیز ہیں اور غالباً ان قدروں سے اپنائیت کی بدولت ہی اُسے اپنی کہانیاں تخلیقنے کی تحریک ہوتی ہے اور اُس کا قاری بھی اُسے پڑھ کر نہا دھو کے اتنا صاف ستھرا نکل آتا ہے —— نہیں، یقین نہ ہو تو اُس کی کہانی ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' کو پڑھنا شروع کیجئے، آپ کا بھی جی چاہے گا کہ پانی سے نکلنا نہ ہو۔

کسی لکھنے والے کی اوائل کی اُجلی خصلتیں ایک تو سدا اُس کی عبادتی شرکتیں نبائے رکھتی ہیں، دوسرے اس مانند ہوتے ہوتے وہ اپنے فنی معیار کی ساری منزلیں طے کر کے بالآخر عین اپنے مخصوص مقام پر آ پہنچتا ہے۔ وانی کی شمولیت کے تیور گواہ ہیں کہ وہ آگے بھی اپنی اعلیٰ تر شرکتوں کا باب کھولے رکھے گا اور یوں عین اپنے مقام کو جالے گا۔ مگر میری مانیں میں تو ٹوٹ کر بھی ہمتوں کو کام میں لا لا کر کسی جانب چلتے جانے کو کہیں پہنچ پانے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

جوگندر پال

مندا کنی، نئی دہلی، یکم نومبر ۲۰۰۶ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پروفیسر عتیق اللہ

مشتاق احمد وانی کا افسانوی فن

مشتاق احمد وانی میرے لئے ایک جانا پہچانا نام ہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے ان کے افسانے میرے مطالعے میں رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنا ایک خاص اخلاقی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے زندگی کا ایک خوبصورت تصوّر بھی کشید کر رکھا ہے۔ زندگی اور وقت کے تقاضوں کا بھی وہ گہرا شعور و احساس رکھتے ہیں۔ ان کا افسانوی فن اس بات کا بھی مظہر ہے کہ وہ فکشن کی روایت سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ ایسے فن کار کے لئے فن ایک بہت بڑا چیلنج بن جاتا ہے۔ جب وہ کوئی اخلاقی نظریہ بھی رکھتا ہو۔ اخلاقی نظریے کا اطلاق بڑی گہری فنی سوجھ بوجھ کا متقاضی ہوتا ہے۔ ایک معمولی فن کار کے لئے اخلاق اور فن کے مطالبات میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا بلکہ فن کا مقصد ہی اس کے لئے اخلاق آموزی ہوتا ہے۔ اخلاق آموزی اگر فن کے بطن سے نمو نہیں پاتی تو افسانوی بافت جگہ جگہ سے کھلنے، اُدھڑنے لگتی ہے۔ جن ترقی پسند فکشن نگاروں نے فن کی ان نزاکتوں کا خیال نہیں رکھا تھا ان کا افسانہ، افسانہ کم اعلان زیادہ بن گیا۔ راجندر سنگھ بیدی اور منٹو کی بصیرتوں نے فنی نفسیات کے ان تقاضوں کو سمجھ لیا تھا۔ اسی لئے ان کے افسانوی فن میں دوغلی نہیں پائی جاتی۔ ان کا افسانوی فن زندگی کے گہرے ادراک ہی سے نشو و نما پاتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انسان خود اپنے لئے کس حد تک درندہ بن سکتا ہے۔ بیدی کے یہاں بعض اعتبار سے زندگی ایک صیغہ راز ہے تو منٹو اس کا نہ صرف یہ کہ سب سے بڑا راز دار ہے بلکہ اُسے راز کو فنی ادراک کے ساتھ منکشف کرنے کا ہنر بھی آتا ہے اور ایک سطح پر وہ یہ بھی باور کراتا ہے کہ جیسا جو کچھ ہے سب عیاں ہے اور جو عیاں ہے وہ بڑا بھیانک اور دہشت انگیز ہے۔ مشتاق احمد وانی منٹو نہیں ہیں، لیکن منٹو کی طرح سوچ ضرور رکھتے ہیں۔ زندگی کے نفیس پہلوؤں کا انہیں احساس ضرور ہے لیکن یہ احساس بہت دیر تک قائم نہیں رہتا۔ ان کے آس پاس زندگی کی جو بے حرمتی ہو رہی ہے۔ سیاست جو سنگدلانہ کھیل رچ رہی ہے، انسان جس بے یقینی کے دَور سے گزر رہا ہے یہ سارا تناظر ایک حساس فن کار کے حواس کو بھک سے اُڑانے کے لئے کافی ہے۔ ان کے یہاں جس تلخ اور جس کرب کا مجھے بار بار احساس ہوتا ہے اس کی جڑیں بھی ان کے اسی تناظر میں گہری چلی گئی ہیں۔ وہ اُس کشمیر کے افسانہ نگار ہیں جو دو نہیں کئی پاٹوں کے بیچ میں پس رہا ہے۔ ہر دہلیز پر موت سایہ فگن ہے۔ سروں پر جیسے ہزاروں ہزار تلواریں لٹکی ہوئی ہیں پتا نہیں کس پر کب کوئی تلوار گر پڑے۔ کب کوئی دھماکہ ہو اور آن کی آن میں سب کچھ ملیامیٹ ہو جائے۔ جانوں کے ایک ایسے زیاں کا سلسلہ ہے جس کی کوئی حد ہے نہ کوئی کنار۔ مشتاق احمد وانی کا سارا مسئلہ یہی ہے ''دوہری مار'' جیسے افسانے میں انہوں نے اس صورت حال کو بڑی فنکارانہ بصیرت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک خاموش گفتار کا سماں ہے جو شروع سے آخر تک برقرار رہتا ہے۔ اسی لئے اس کا اثر بھی بڑا کاری ہے۔ کل کا تاریخ داں اسی قسم کے ادب کو اپنی دلائل کی بنیاد بنائے گا۔

''میٹھا زہر'' یا ''افراتفری میں کھڑا آدمی'' میں مقصدیت بہت نمایاں ہوگئی ہے۔ ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' میں وانی نے سنبھل سنبھل کر افسانوی تحیر کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ وانی انسانی نفسیات کا گہرا شعور رکھتے ہیں ''میٹھا زہر'' اور ''کوفت'' میں بھی انہوں نے کرداروں کی باطنی کیفیتوں کو بڑی ہنرمندی کے ساتھ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تجزیوں سے گزارا ہے ''بیٹی'' میں داخلی خود کلامی کی کیفیت ہے۔ یہاں بھی ایک انتباہ کی صورت نمایاں ہے دوہرے طنز کی مار مارنا بھی انہیں خوب آتا ہے۔ لیکن افسانہ اپنے آخری لمحوں میں سارے اُلجھے ہوئے سروں کو سمیٹ لیتا ہے۔ ''جنم بھومی کے آنسو'' ہو کہ ''درد بھری راتیں'' تمام بکھری ہوئی چیزیں بالآخر ایک مرکز پر آ کر ٹھہر جاتی ہیں۔ مشتاق احمد وانی عین قاری کی توقع کے مطابق اپنی راہ کا تعین کرتے ہیں۔ اس طریق کار سے قاری کے لئے خاصا طمانیت کا سامان مہیا ہو جاتا ہے لیکن افسانے کے فن کی آزادانہ نشو ونما نہیں ہو پاتی۔ آدھی ادھوری زندگی ادھے ادھورے افسانوں کا تقاضا کرتی ہے۔ مکمل کچھ نہیں ہے ہر چیز اپنی تکمیل کی جستجو میں سرگرداں ہے۔

پروفیسر عتیق اللہ
سابق صدر شعبۂ اُردو
دہلی یونیورسٹی، دہلی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈاکٹر ارتضیٰ کریم

کہانیوں کا مشتاق: مشتاق احمد وانی

فی زمانہ ادب سے جس طرح کی عدم وابستگی کا اظہار عام قاری اور خود اُردو دانش گاہوں میں عام ہوتا جارہا ہے اس نے اُردو ادب کے مستقبل پر ہی سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہندوستان کے مختلف جامعات کے شعبۂ اُردو کے اساتذہ اپنی تصنیفات اور تالیفات سے ادبی منظر نامے کو منور رکھتے تھے لیکن آج ہر طرف ایک خاموشی ہے —— ایسے میں مشتاق احمد وانی جیسے افسانہ نگار اور نقاد کا دم غنیمت ہے، جو اُردو کے مرکز سے دور ہیں۔ جن کا تعلق کسی بڑی دانش گاہ سے نہیں ہے اس کے باوجود وہ ادب و شعر کے مشتاق ہیں۔ اس کے ثبوت میں ان کے وہ افسانے اور مضامین پیش کئے جاسکتے ہیں، جو ہندو پاک کے مختلف ادبی اور نیم ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں —— یا پھر ان کی وہ کتابیں ''تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران'' اور ''آئینہ در آئینہ'' وغیرہ ہیں جو نہ صرف شائع ہوئیں بلکہ ان کی ارباب فکر ونظر نے ستائش بھی کی۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی اگرچہ تحقیق اور تنقید سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں لیکن ان کا دردمند دل، اصلاً تخلیق میں اپنی جولانی دکھاتا ہے اور کھل کر سماجی نابرابری، خواتین کے استحصال، کمزور طبقوں پر مظالم، سیاسی شعبدہ بازی، جنسی بے راہ روی، غربت کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

المیے، پرخوبصورت، بامقصد، تعمیری اور متاثر کن کہانیاں لکھتا ہے اور اس طور کہ ہر پڑھنے والا یوں محسوس کرتا ہے۔ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کا آبائی وطن جموں وکشمیر (محلّہ: سروال، گاؤں: بہوتہ، ضلع: ڈوڈہ) ہے اور یہ خطۂ خاص جس عنوان سے سیاسی، تہذیبی، سماجی اور معاشی تجربہ گاہ کے کام آرہا ہے اس کے شاہد جموں وکشمیر کے شب وروز تو ہیں ہی اور ان شب وروز کو مشتاق احمد وانی جیسے فنکار وادیب شنیدنی نہیں دیدنی حوالے سے جب بیان کرتے ہیں تو اس بہشت ارضی کے حالات قاری کو دیر تک اور دور تک متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے افسانے ''جنم بھومی کے آنسو'' (مطبوعہ بیسوی صدی، نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۵ء) کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

''ہاں! بیٹے درست کہہ رہے ہو، مگر کیا معلوم میری آنکھیں امن وامان دیکھ سکیں گی یا نہیں؟ بیٹے میں نے ۱۹۴۷ء کا دور بھی دیکھا ہے، جب بے شمار لوگ مارے گئے تھے اور ہر شخص اپنی جنم بھومی سے اُکھڑ گیا تھا لیکن اس عمر میں میرا اپنی جنم بھومی سے اُکھڑ کر جدا ہونا، مجھے منظور نہیں۔ میں اسی مٹی پہ پیدا ہوا ہوں اور اسی میں دفن ہونا چاہتا ہوں، نادر چچا نے جذباتی انداز میں مٹھی بھر مٹی دھرتی سے اٹھائی، اسے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔''

اس اقتباس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مشتاق احمد وانی کو اپنے فن پر پورا بھروسہ ہے اسی لئے انہوں نے چھوٹے چھوٹے واقعات کو افسانوں کے پیرایے میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے —— افسانے کا فن پہلی نظر میں دل گرفتگی کا فن ہے، مقام طمانیت ہے کہ وانی کے افسانے اپنے آغاز میں ہی ''قاری کو گرفت میں لے لیتے ہیں پھر قاری کردار اور واقعے —— کی انگلی تھامے تحیّر اور دلچسپی کے ساتھ ایک متاثر کن انجام تک پہنچ جاتا ہے یا کبھی کبھی انجام تک کا سفر خود طے کرتا ہے —— انہوں نے عصری مسائل پر بھی افسانے لکھے ہیں۔ مثلاً: ''شرافت''، ''میٹھا زہر''، ''کوفت''، ''مجبوری'' وغیرہ —— ''میٹھا زہر'' میں تو انہوں نے ایک نہایت ہی سلگتے ہوئے اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سنجیدہ مسئلے کو فن کاری سے اٹھایا ہے —— نادانی، غلط مشورے اور بے جا شرم سے کیسے ہولناک نتائج سامنے آتے ہیں، کہانی ''میٹھا زہر'' اس کی عمدہ مثال ہے۔

ہزاروں غم —— مشتاق احمد وانی کا پہلا افسانوی مجموعہ تھا جو اب سے چھ سال قبل (۲۰۰۱ء) شائع ہوا تھا، یعنی پیش نظر افسانوں کے مجموعہ تک آتے آتے انہوں نے اپنے تخلیقی سفر کے سات سال مزید جی لئے ہیں۔ چنانچہ اس دوران ان کا فن اور بالیدہ اور باشعور ہوا ہے۔ زبان اور اسلوب کے اعتبار سے بھی، موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے بھی، فنی چابکدستی کے حوالے سے بھی۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے افسانوں کا یہ مجموعہ عوام اور خواص ہر دو حلقوں میں مقبولیت حاصل کرے گا۔ ان کے افسانوں کے مطالعے کے دوران بار بار یہ شعر ذہن میں گونجتا ہے۔ جیسے مشتاق احمد وانی —— اپنے فن کے لئے کہہ رہے ہیں۔

شعر میرے ہیں گو خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے!

ڈاکٹر ارتضیٰ کریم
ریڈر شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈاکٹر علی احمد فاطمی

سماجی دَرد کی کہانیاں

مشتاق احمد وانی کی کہانیاں جتنی کہ میں پڑھ سکا اور سمجھ سکا، صاف ستھری سماجی مسائل کی کہانیاں ہیں۔ ویسے تو کوئی بھی کہانی ہو، خواہ وہ کتنی اور کیسی ہی کہانی کیوں نہ ہو زِندگی اور سماج سے الگ نہیں ہوسکتی ہے۔ معاملہ اور مسئلہ اُن کے تخلیقی اظہار اور انعکاس کا ہوتا ہے۔ اِس عمل میں بھی کہانی کار کا اپنا رویّہ اور نظریہ کام کرتا نظر آتا ہے۔ نظریہ یہ کہ کہانی کار موضوع یا مسئلہ کو زیادہ اہم سمجھتا ہے کہ زبان و تکنیک کو اور چونکہ کہانی اب ایک ادبی صنف ہے اس لئے اس میں زبان و اسلوب اور تکنیک کی اُتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ مسئلہ اور موضوع کی —— اِس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک عمدہ کہانی موضوع اور تکنیک دونوں کے مفکرانہ و فنکارانہ امتزاج و انجذاب کا نام ہے۔ اگر دونوں میں کسی ایک پہلو کا معاملہ نسبتاً کمزور ہے تو دوسرے پہلو کا مضبوط رہنا نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔

اِس خیال کی روشنی میں مَیں نے جب مشتاق احمد وانی کی چند کہانیاں پڑھیں تو اِس میں مجھے تکنیک کے مقابلے موضوع کی اہمیت و شدت زیادہ نظر آئی —— لیکن اچھی بات یہ ہے کہ سارے موضوع اتنے اہم، تازہ اور فکر انگیز ہیں کہ افسانوں کا روایتی اُسلوب اور فرسودہ تکنیک پس پردہ چلی جاتی ہے۔ ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے کہ یہ موضوعات ہی ایسے ہیں کہ جن کو بوجھل اور مبہم انداز میں پیش کرنا ادبی دیانت داری کے خلاف ہے۔ مثلاً دہشت گردی خصوصاً کشمیر میں پلنے والی دہشت گردی نے کیسے اور کتنے رُوپ لے لئے ہیں اس کا اندازہ ''دوہری مار'' اور ''جنم بھومی کے آنسو'' جیسی کہانیوں سے ہوتا ہے جس کے چکرویوہ میں پھنسا عام انسان اور اس کی مشقت بھری زندگی —— ''دوہری مار'' کا کردار دوہرے انداز سے پھنسا ہوا ہے۔ دہشت گردوں سے تو وہ کسی طرح چھوٹ جاتا ہے لیکن پولیس کی دہشت اور بربریت کا شکار ہو جاتا ہے۔ کہانی کا انجام یہ بھی ہوسکتا تھا کہ کردار خود بھی دہشت گرد بن جائے اور شاید ایسے ہی بنتے بھی ہیں لیکن یہاں کہانی کار کا فن اُسے زندگی کی ضرورتوں اور کمزوریوں میں اُلجھا دِکھا کر حقیقت کی ایک نئی دُنیا آباد کر دیتا ہے۔ اِسی طرح ''جنم بھومی کے آنسو'' تہہ دار اور فکر انگیز کہانی ہے۔ کہانی کی ابتدا تو اپنے وطن کی یادوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ یادوں میں جو ایک ثقافتی دُنیا آباد ہوتی ہے وہ کہانی کو پُر اثر بناتی ہے اور مقامیت یا مقامی ثقافت کی اپنی قبولیت اور اثر پذیری تو ہوتی ہی ہے۔ ذرا اِن جملوں کو دیکھئے:

> ''جہاں اس نے پہلی بار یہ دیکھا تھا کہ ابابیلیں مکانوں ہی میں اپنے مٹی کے آلڑے بناتی ہیں۔ وہ کھیت کھلیانوں میں کھیلا کودا تھا۔ صبح صادق کے وقت مندر سے ناقوس کی آواز اور مسجد سے اذان سنی تھی۔ دسویں تک تعلیم حاصل کی تھی۔ بھوکے ننگے پاؤں اسکول گیا تھا۔ گلی کوچوں میں کورے کاغذ چنے تھے۔ اِن کی شیرازہ بندی کر کے کاپیاں تیار کی تھیں.....''

ابابیلوں کا مکان بنانا، کورے کاغذ کی شیرازہ بندی وغیرہ خوبصورت اشارے ہیں جو کہانی کے مرکزی خیال کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ یہی نہیں اِسی ماحول میں اُس نے مفلسی کے دِن گزارے اور دادی امّاں سے پنچ تنتر کی کہانیاں سنی تھیں۔ خوشی کے مقامات اور لمحات تو انسان جلد ہی بھول جاتا ہے۔ لیکن مفلسی اور بچپن کے مقامات

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تاحیات یادرہتے ہیں۔ اِنہیں خوبصورت مقامات سے گزرتے ہوئے پھر سیاست کی جھوٹی باتیں یاد آتی ہیں اور غربت یاد آتی ہے۔ اس سے زیادہ چور لفنگے اور اوباش لوگ یاد آتے ہیں جو اس خوبصورت مقام کو بدصورت بنائے ہوئے تھے —— لیکن آج وہی مقام فوجیوں سے گھرا ہوا ہے اور عرصہ کے بعد لوٹتے ہوئے اُس کے وطن کی مٹی اور خوشبو کے ذریعے استقبال کے بجائے فوجیوں کی گرج اور دھمک سے ہوئی۔ وہ ان مقامات کو حسرت سے دیکھتا ہے جہاں وہ کبھی ''آزاد پنچھی کی طرح گھوما کرتا تھا'' پھر ایک بزرگ کے یہ جملے.....

''نو سال سے تمہاری جنم بھومی جیسے آگ میں سُلگ رہی ہے اب تو ہمارے دن کا چین اور رات کی نیند ہم سے چھن گئی ہے۔ اب تو پورے علاقے پر فوجیوں کا تسلط ہے۔''

اور یہ جملہ.....

''چچا حوصلہ کیجئے۔ جس مرض کا علاج نہ ہو اُسے برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

گویا کشمیر میں دہشت گردی ایک لاعلاج مرض بن چکا ہے۔ اِس پر اختلاف ہوسکتا ہے لیکن فوراً ہی ایک جملہ اور نکلتا ہے.....

''ایک وقت ایسا آئے گا جب باہر کا آدمی اندر نہیں آسکے گا اور اندر کا آدمی اندر والے کو پریشان نہیں کرسکے گا ——''

وہ بوڑھا مایوس تو ہے لیکن پھر بھی اپنی مٹی کو چھوڑ کر جانا اُسے منظور نہیں۔ وہ اِسی مٹی پہ پیدا ہوا ہے اور اِسی میں مرجانا چاہتا ہے۔ کہانی یہیں پر ختم ہوسکتی تھی لیکن تھوڑی آگے بڑھ کر فوجیوں کی فائرنگ پر ختم ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان اور حیوان دونوں پر دہشت سوار تھی —— ایک سُلگتے ہوئے موضوع پر ہُنرمندی سے لکھی ہوئی کہانی ہے جو اپنا تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

کہانیاں اور بھی ہیں جو آس پاس کے موضوعات پر لکھی گئی ہیں مثلاً ''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' کہانی شروع ہوتی ہے دِلدار نام کے کردار سے جو اپنی بیوی اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تین بچّوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا ہے۔ بچّوں کے ساتھ کے لمحے، معصوم سے سوالات جو آگے بڑھ کر فلسفہ کا رُوپ لے لیتے ہیں۔ مثلاً.....

''تقدیر کسے کہتے ہیں؟''

''شیطان کیا ہوتا ہے؟''

انہیں سوالوں کے درمیان کسا ہوا ہے کہانی کا تانا بانا —— اِنہیں سوالات کے جواب میں ایسے معنی خیز جملے بھی برآمد ہوتے ہیں —— ''زندگی بڑا حسین سفر ہے بشرطیکہ انسان کو اسے طے کرنے کا سلیقہ آ جائے۔'' یا —— ''بے صبری انسان کے اندر غصے کو جنم دیتی ہے اور حرص وہوس پریشانی۔'' —— ''آدمی کی زندگی تو مختصر ہے لیکن اُمیدیں طویل ہیں۔'' اِن جملوں کے بعد ہی دِلدار سفر پر نکلتے ہیں۔ درمیان سفر ایک لاوارث بچّہ نظر آتا ہے۔ لوگ اُسے دیکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن دلدار صاحب انسان پرست اور خدا ترس انسان ہیں۔ لاوارث بچّے کو گود لے کر واپس گھر آ جاتے ہیں۔ گھر والے گود میں بچّہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ بیوی بے وقوفی سے بھرے سوالات کرتی ہے جو فطری ہوتے ہوئے بھی غیر فطری سا لگتا ہے لیکن فوراً ہی دلدار کی نیکی اور شرافت غالب آ جاتی ہے اور سب خوشی خوشی اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ کہانی کی ابتداء تو فلسفیانہ ڈھنگ سے ہوتی ہے لیکن آگے چل کر آدرش واد کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کہانی اچھی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

''میٹھا زہر'' جہیز سے متعلق کہانی ہے۔ اگر چہ اس میں بھی مثالیت زیادہ ہے تاہم سماجی حقیقت کو کہانی میں پیش کرنے کا ایک مخلصانہ قدم ہے۔ ایک طوائف کے یہ جملے دیکھئے.....

> ''ہماری مثال تو دکاندار کی سی ہے۔ دکاندار کو بھلا گاہک کی شکل وصورت یا عمر ومرتبے سے کیا تعلق؟ اُسے تو گاہک کے روپے سے غرض ہوتی ہے۔ ہمارے پاس ہر طرح کے مرد آتے ہیں۔ بوڑھے، جوان، ادھیڑ عمر اور کم عمر لڑکے۔ گورے کالے، امیر غریب، کانے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بہرے اور لنگڑے۔ یہاں تو بڑے بڑے جنیو دھاریوں کے جنیو تک اُتر جاتے ہیں۔ بڑے بڑے پنڈت اور مولوی ہمارے آگے جبہ سائی کرتے ہیں۔ ہمارے فریب میں ہر کوئی آ جاتا ہے۔''

''کوفت'' ایسی کہانی ہے جو ایک ساتھ کئی سماجی مسئلوں پر اشارے کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ باپ کی شوگر کی بیماری، نوجوان کی محبت، ایک لڑکی کے ساتھ پولیس کا رویّہ اور لڑکی کا پولیس پر برہم ہونا۔ ایک شریف انسان کے یہ جملے ——

''بس میں بیٹھے راجندر یادو سوچتے سوچتے اِس بات پر پہنچا کہ یہ دُنیا بھی ایک بس کی مانند ہے جس میں ہم سبھی سوار ہیں۔ اُن مسافروں کی طرح جو وقت کے ساتھ اپنی اپنی منزل پر اُتر جاتے ہیں اور ہم اپنی سیٹ دوسروں کے لئے خالی کر دیتے ہیں۔''

اور پھر یہ گمبھیر سوالات بھی ——

''ہماری پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ کیا صرف کھانا پینا اور کمانا؟ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ انسان میں اگر انسانیت نہ ہو تو جانور اور انسان میں کوئی بھی فرق نہیں رہتا۔''

مشتاق وانی کی کہانیاں موجودہ سماج کی اِسی حیوانیت کو دِکھاتی ہیں لیکن اچھی بات یہ ہے کہ اُن کی نظر میں انسان اور انسانیت کی قدر و قیمت ہے۔ وہ اِسی کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن وہ چاروں طرف سے گرفتار ہیں۔

''درد بھری راتیں'' میں نظام کی بدحالی، چور میں بے اعتمادی، افراتفری میں دو نسل اور دو تہذیب کے ذریعے پورا معاشرتی نظام.....غرض کہ سب کچھ گڑبڑ ہے..... بے ترتیب اور بدحال۔

ایک اچھے اور ذمہ دار کہانی کار کی حیثیت سے مشتاق احمد وانی کی اِن سب پر گہری نظر ہے اور نظر ہی نہیں وہ اس سے بھی واقف ہیں کہ گڑبڑی اور بدحالی کہاں سے ہے اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔ وہ خود ایک متوسط طبقے کے فرد ہیں اس لئے اُن کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہانیوں میں متوسط طبقہ زیادہ ہے اور اس کی رنگارنگی بھی خوب ہے۔ ہندو و مسلم کردار، مرد اور عورت کے کردار، نوجوان اور بچّوں کے کردار، اپنی اپنی زندگی اور کہانی کہتے نظر آتے ہیں —— ظاہر ہے کہ ایسے طبقہ کے کرداروں کا جو عمل ہے وہ بڑے فطری انداز سے کہانی کار کا تخلیقی عمل بن گیا ہے۔ اِسی لئے یہ کہانیاں بظاہر قدیمی طرزِ اسلوب کی کہانیاں نظر آتی ہیں اور اِن کو پڑھتے ہوئے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم کرشن چندر، قاسمی اور رام لعل کے دَور میں پہنچ گئے ہیں لیکن کہانی کار نے نہایت چابکدستی سے مسائل کو تازہ اور نو بہ نو پیش کر کے اسے آج کی زندگی اور دھڑکتی ہوئی کہانیاں بنا دیا ہے —— کہیں کہیں ایسا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اُن کی کہانیوں میں مثالیت زیادہ آ گئی ہے لیکن واقعات کی حقیقت اور کرداروں کی مکالماتی سچائی میں وہ آدرش چھپ سا جاتا ہے اور کہانی میں یہی ہونا چاہئے کہ کوری مثالیت زندگی کی حقیقت کو دُھندلا کر دیتی ہے۔ حقیقت کو بھی محض حقیقت نہیں ہونا چاہئے۔ فکشن کو لکھتے وقت تخیل کی کارفرمائی بھی ضروری ہوا کرتی ہے لیکن مشتاق وانی کا تخیل آدرش کی طرف زیادہ مائل نظر آتا ہے۔ یہ کہانی کار کا وصف تو ہو سکتا ہے لیکن کہانی کا نہیں —— تاہم یہ کہانیاں اپنی پر اثر پیش کش کی وجہ سے دامن دل کھینچتی ہیں۔ مقامیت اور مقامی ثقافت کا جا بجا ذکر، منظر کشی خصوصاً کشمیر کے موسم اور پودوں کا ذکر اور پھر خوبصورتی میں بدصورتی کی تلاش، انسانی تکالیف، درد یہ سب کچھ بڑے معنی خیز انداز میں سمٹ آتا ہے۔

متوسط طبقہ کے ذکر کی وجہ سے ان کی کہانیوں کے خیال اور پیغام کا دائرہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ یہ کہانیاں ہندوستان کے سب سے بڑے طبقے کی نمائندگی کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کہانیاں اپنے گہرے سماجی شعور، معاشرتی وجدان اور تکنیکی بصیرت کی وجہ سے ادبی حلقے میں پسندیدگی سے پڑھی جائیں گی۔

پروفیسر علی احمد فاطمی
شعبۂ اُردو، الٰہ آباد یونیورسٹی، الٰہ آباد (یوپی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انیس امروہوی

زندگی کے آئینے سے جھانکتی ہوئی کہانیاں: ''میٹھا زہر''

''میٹھا زہر'' ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل ۲۰۰۱ء میں ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''ہزاروں غم'' شائع ہوکر مقبول ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کو موضوعاتی کہانیاں لکھنے میں خاص مہارت حاصل ہے۔ ان کے افسانوں میں تجربے، مشاہدے، حادثات اور واقعات کا بیان پورے کہانی پن کے ساتھ قائم رہتا ہے اور کہانی اپنے کرداروں کی زندگی کے اطراف گھومتی رہتی ہے۔ ان کا انداز بیان خاصہ بے باکانہ ہے مگر کہیں بھی ان کا قلم تہذیب کے دائرے سے باہر نہیں نکلتا، جس سے پتا چلتا ہے کہ ان کو اپنے قلم پر کتنا قابو رہتا ہے۔ وہ اپنی موضوعاتی کہانیوں کے ذریعے آج کے سماج کو ایک ایسا سچا آئینہ دکھانا چاہتے ہیں جس میں جو بھی جھانکتا ہے، اس کو اپنی اصل صورت نظر آتی ہے۔ ان کے کردار تخیل کی بھول بھلیوں سے جلوہ گر نہیں ہوتے بلکہ ہمارے آپ کے آس پاس ہی زندگی کے سکھ دکھ بھوگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کی کہانیوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ تقریباً اپنی ہر کہانی میں سماج کی کسی نہ کسی دُکھتی ہوئی رَگ پر نشتر چلاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کہانی ''میٹھا زہر'' جس پر اس کتاب کا عنوان بھی رکھا گیا ہے، بظاہر سیکس کے موضوع پر تحریر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی گئی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کہانی میں مصنف نے بڑی چابکدستی کے ساتھ کہانی کے کردار کی نفسیات اور اس کے سماجی منظر نامے سے قاری کو شروع سے آخر تک جوڑے رکھا ہے اور نفسیاتی الجھنوں کے شکار لوگوں کے لئے آہستہ سے ایک پیغام بھی دے دیا ہے۔ اسی طرح کہانی ''بیٹی'' بھی لوگوں کے لئے مقام عبرت ہے جو گھر میں بیٹی کے پیدا ہونے پر گھر کو ماتم کدہ بنا دیتے ہیں۔ کہانی ''مجبوری'' میں مصنف نے سماج کے ایک نہایت بھدے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے۔ کس طرح مردوں کے بنائے ہوئے اس سماج میں عورت اپنے آپ کو مجبور و بے بس محسوس کرتی ہے اور سماج کے سفید پوش بھوکے بھیڑیے اپنی ہوسناک نظروں سے اس کو عریاں کرتے رہتے ہیں۔ ''جنم بھومی کے آنسو'' دہشت گردی کے موضوع پر ایک بہترین کہانی ہے۔ سرحدوں نے کس طرح رشتوں کو تقسیم کیا ہے، اس درد کو وہی لوگ بخوبی محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے ان زخموں کو پالا ہے۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی نے کہانی ''درد بھری راتیں'' میں بھی سماج کے ایک اہم مسئلہ کو موضوع بنایا ہے۔ نشہ اور عیاشی ہمارے سماج کی دو ایسی لعنتیں ہیں جن کی وجہ سے کئی بسے بسائے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ ناسور ہمارے سماج کا ایک حصہ بنا ہوا ہے۔ کہانی ''شرافت'' میں بھی ڈاکٹر مشتاق احمد وانی نے سماج میں پھیلے ہوئے خیر و شر کے اثرات اور انجام سے واقف کرایا ہے۔ دنیا میں برائی کسی بھی حد تک بڑھ جائے اور لوگوں کو اپنی طرف پُرکشش انداز میں راغب بھی کرے، مگر آخر کار نیکی ہی قائم رہتی ہے اور برائی جلد یا بدیر مٹ ہی جاتی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کی کہانیاں اپنے مثبت رویّوں کی وجہ سے ذہن و دل پر اپنا اچھا تاثر قائم کرتی ہیں۔ وہ اپنی کہانیوں میں نام نہاد قسم کا کوئی تجربہ نہیں کرتے۔ بلکہ زندگی کے واقعات کو کہانی کے ڈانڈوں میں ملاتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی بیشتر کہانیوں کا ماحول سماج میں پھیلی ہوئی بدعنوانیوں اور زندگی کے رشتوں میں پھیلی کڑواہٹوں کے تانے بانے سے بُنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مشتاق احمد وانی کی کہانیوں کے کردار ہمارے اطراف کے ہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں ہم ان کہانیوں کے حوالے سے ہی پہچان پاتے ہیں۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کی کہانیوں کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور ان میں زبان کی پینترے بازی کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ ہاں! جس طرح کوئی کاریگر جب لکڑی کا فرنیچر بناتا ہے تو اس پر ریگمال رگڑ کر اس کی سطح کو ہموار اور چکنا کر کے فنشنگ لاتا ہے۔ کہیں کہیں مشتاق احمد وانی کی کہانیوں میں اس ریگمال سے رگڑائی کی کمی ضرور محسوس ہوتی ہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح کسی لذیذ کھانے میں ایک آنچ کی کسر محسوس ہوتی ہے۔ مگر اس سے ان کی کہانیوں کے تاثر پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور وہ اپنے آپ کو پڑھوالیتی ہیں۔

انیس امروہوی، دہلوی
لکشمی نگر، نئی دہلی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈاکٹر اسلم جمشید پوری

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی: انسانی زندگی کے سچّے عکّاس

اُردو افسانہ تقریباً ایک صدی کا سفر مکمل کر چکا ہے۔ اس صد سالہ سفر کے دوران اُردو افسانہ متعدد تحریکوں، رجحانوں اور رویّوں سے گزرا۔ افسانے پر برا وقت بھی آیا اور افسانہ قاری سے دور بھی ہوا۔ پھر افسانے کو نئے لکھنے والوں نے نیا مقام اور نئی زمین عطا کی۔ بیسوی صدی کے آخر دہے میں اُردو افسانے کو چند نئے نام میسر آئے ان میں مشتاق احمد وانی بھی ایک قابل ذکر نام کے طور پر سامنے آیا۔

مشتاق احمد وانی کا پہلا افسانوی مجموعہ ''ہزاروں غم'' ۲۰۰۱ء میں منظر عام پر آیا۔ جسے ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ''میٹھا زہر'' ان کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے جس میں تقریباً ۱۲ افسانے شامل اشاعت ہیں۔

مشتاق احمد وانی کے افسانے کسی خاص رجحان یا ازم کے تابع نہیں ہوتے۔ نہ ہی ان کے افسانوں میں کوئی خاص فلسفہ ہوتا ہے۔ بلکہ وہ انسانی زندگی کے سچے عکاس ہوتے ہیں۔ جس طرح مشتاق احمد وانی ذاتی زندگی میں شرافت کا پیکر ہیں اسی طرح ان کی افسانہ نگاری بھی انتہائی سادہ اور سلیس ہے۔ سیدھی سادی زندگی کی کہانی، عام سے کردار، پلاٹ پیچیدگی سے پاک، تحیر، تجسس، تصادم بقدر ضرورت عام فہم سے کہانیوں کے اختتام، قاری سے بے جا خطاب نہ ہی کسی خاص نظریہ کی اشاعت.....

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ تمام اوصاف جہاں انہیں سہل افسانہ نگار ثابت کرتے ہیں وہیں کہانی کی تکمیل اور تاثر میں کبھی کبھی رخنہ بھی بن جاتے ہیں۔ کچھ کہانیوں کی قرأت کے بعد ایسا لگتا ہے کہ وہ انسانی درد و کرب کو لفظوں میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایک آنچ کی کمی کے باعث قاری تک درد و غم کی ترسیل شدت سے نہیں ہو پاتی ہے۔ ویسے مشتاق احمد وانی کے پاس موضوعات کا خزانہ ہے۔ وہ زیادہ تر اپنے آس پاس سے کہانیاں اٹھاتے ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں میں جموں و کشمیر کسی نہ کسی حوالے سے ضرور آجاتا ہے۔

''میٹھا زہر'' کی اشاعت پر میری دلی مبارکباد۔

ڈاکٹر اسلم جمشید پوری
صدر شعبۂ اُردو
چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ (یوپی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیپک بُدکی

''میٹھا زہر'' کی کڑوی سچائی

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی ''ہزاروں غم'' کے بعد اب دوسرا افسانوی مجموعہ ''میٹھا زہر'' لے کر ادبی میدان میں اُترے ہیں۔ افسانہ نگاری کے ساتھ ان کو خاص لگاؤ ہے۔ حالانکہ انہوں نے تحقیقی وتنقیدی میدان میں بھی قلم آزمایا ہے۔ انہوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لئے فکشن سے جڑے ہوئے موضوع ''تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران'' کا انتخاب کیا جو ۲۰۰۲ء میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد ان کی تحقیقی وتنقیدی کاوش ''آئینہ در آئینہ'' ڈاکٹر وانی کی صلاحیتوں پر لبیک کہنے لگی۔

ریاست جموں وکشمیر کے دور افتادہ پسماندہ علاقے ڈوڈہ سے تعلق رکھنے والے اس دیندار افسانہ نگار نے تجربات حوادث کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا دیا۔ زندگی کی اوبڑ کھابڑ راہوں پر چل کر انہوں نے نہ صرف غربت اور فلاس بلکہ ہجرت، عدم تحفظ اور سماجی نابرابری کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس جدوجہد میں سرخرو ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے ایسے زمانے میں، جب جدیدیت کا طوطی بول رہا تھا، بے فکر ہو کر حقیقت نگاری کو گلے سے لگا لیا۔

مشتاق احمد وانی کے ماحول کے بارے میں قیاس آرائی کرنا بہت مشکل ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اس علاقے کی زبوں حالی اور کسمپرسی دیکھتے ہی بنتی ہے۔ ریاست جموں وکشمیر تو ویسے بھی پسماندگی کے لحاظ سے صف اوّل میں گنی جاتی ہے پھر ڈوڈہ کا علاقہ تو سب سے زیادہ نظر انداز ہوتا رہا ہے۔ جیسے اتنا کچھ کافی نہ تھا کہ پچھلی دو دہائیوں سے اس علاقے کو دہشت گردی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور یہاں کے باشندے ایک جانب دہشت گردوں سے جوجھتے رہتے ہیں اور دوسری جانب پولیس کی یاتنائیں سہتے رہتے ہیں۔ ان غیر موافق حالات کی منظر کشی افسانہ نگار نے ''دوہری مار'' میں بڑی خوبی سے کی ہے۔

افسانہ ''جنم بھومی کے آنسو'' حاصل مجموعہ ہے۔ اس افسانے میں سیکورٹی فورسز کی وجہ سے عام لوگوں پر نازل مصیبتوں کو شدت اور بے لاگ ولپیٹ کے بیان کیا گیا ہے۔ ''میٹھا زہر'' میں رامیشور اپنے دوست کی ترغیب کے باعث لال کُرتی علاقے (red Light area) سونا گاچھی کی بھول بھلیوں میں کھو جاتا ہے اور اس طرح عمر بھر کے لئے ایڈز کا ناسور پالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ''مجبوری'' کہانی ہے ایک برہمن بیوہ کی، جوان بیٹی چندرا کی، جو غربت وافلاس کے سبب پچاس سال کے بوڑھے سے شادی کرنے کے لئے مجبور ہو جاتی ہے۔ اپنی جنسی بھوک مٹانے کی خاطر وہ ماسٹر سوہن لعل اور کیول کرشن چمار سے رابطہ قائم کر کے بچّے پیدا کرتی ہے۔ اسی کی ایک اور کڑی ہے ''بیٹی''، جس میں ہندو سماج پر گہری چوٹ کی گئی ہے۔ بیٹی پیدا ہونے پر ہندو گھروں میں جو ماتم چھا جاتا ہے اس کو قلم کار نے خوبی سے پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی نے ایک طرف سنجیدہ موضوعات کو سپرد قلم کیا ہے اور دوسری طرف ہلکے پھلکے روزمرہ کے حادثات کو قرطاس پر اتارا ہے۔ ''افراتفری میں کھڑا آدمی'' کا نظر محمد اپنے دوست کے یہاں دعوت میں رقص ابلیس دیکھ کر دم بخود ہو جاتا ہے۔ افسانہ ''کوفت'' میں ایک معمولی ملازم بیوی کے اصرار پر گھر میں ٹیلی فون لگوالیتا ہے اور اس طرح بڑی مصیبت مول لیتا ہے۔ ان مصائب کے باوجود بیوی ٹیلی فون کٹوانے پر رضامند نہیں ہوتی۔ ''درد بھری راتیں'' میں ڈاکٹروں کی کوشش کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

باوجود بچّہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے جس سے افسانہ نگار یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مشیت ایزدی کے سامنے بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کی سبیلیں بھی کارگر نہیں ہوتیں۔ افسانہ ''چور'' میں غلام نبی ریل کے سفر کے دوران کسی چاپلوس کے ہاتھوں لُٹ جاتا ہے۔ ''شرافت'' میں دنیا داری اور دین داری کا تصادم ملتا ہے جہاں شریف آدمیوں کو بدمعاش عورت پولیس کی مدد سے لُوٹ لیتی ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کے کردار ہمارے آس پاس کے ماحول میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی شریف النفس ہے تو کوئی بدمعاش، کوئی ضمیر کا پابند ہے تو کوئی سفلی جذبات کا قیدی، ہر کردار اپنی مخصوص بولی بولتا ہے اور اپنی شخصیت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ البتہ یہ تحریر کرنے میں مجھے کوئی باک نہیں کہ موصوف کے افسانوں کا جزو لاینفک بیانیہ اسلوب ہے جب کہ مکالمے سے زیادہ کام نہیں لیا گیا ہے۔

افسانوں کی دلکش منظر نگاری افسانہ نگار کے حساس ذہن کی دین ہے۔ وہ چاہے پہاڑوں، جنگلوں اور بیابانوں کی عکاسی ہو یا پھر سونا گاچھی کی طوائفوں کی پیکر نگاری، قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ ''جنم بھومی کے آنسو'' میں بدنصیب وادی کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

> ''نو سال سے تمہاری جنم بھومی جیسے آگ میں سلگ رہی ہے۔ اب تو ہمارے دل کا چین اور رات کی نیند ہم سے چھن گئی ہے، بیٹے وہ پہلے جیسے مزے اب کہاں کہ آدھی آدھی رات کو چلتے تھے تو کوئی پوچھتا نہیں تھا لیکن اب تو پورے علاقے پر فوجیوں کا تسلط ہے۔ ان نو برسوں میں تمہاری جنم بھومی میں کئی بم پھٹے، کئی نوجوان، مرد عورتیں، بوڑھے اور بچّے گولی کا نشانہ بنائے گئے۔ کتنی ہی بیویوں کے سہاگ اُجڑ گئے اور کتنے ہی ذبح کئے گئے۔''

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کہانی قلمبند کرتے وقت طے شدہ پلاٹ سے اِدھر اُدھر بھٹکنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ انہیں کہانی لکھتے وقت اپنے ارتکازی نقطے Focal

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

Point پر ہمیشہ نظر رہتی ہے کیونکہ انہیں قاری کو درس دینے کی پیاس لگتی رہتی ہے۔ ان کی یہی مجبوری انہیں مبلغ اور ناصح بنادیتی ہے۔ اور کہیں کہیں رجعت پسندی کی طرف بھی کھینچ لیتی ہے جو ہم عصر تناظر میں کہانی میں جھول پیدا کرتی ہے۔ موجودہ دور کی کہانیوں کا تقاضا ہے کہ واقعات کو دردمند دل سے خوش اسلوبی کے ساتھ رقم کیا جائے اور نتیجہ اخذ کرنا قاری پر چھوڑ دیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد کے زمانے میں مثالیت پسندی، مثالی کرداروں اور پندونصائح کو قارئین پسند کرتے ہوں لیکن موجودہ زمانے میں قاری صرف کہانی پڑھنا چاہتا ہے اور خود ہی صحیح اور غلط کا تعین کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہانی کار کو بیسویں صدی کے مقابلے میں آج کل زیادہ محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اور قاری کی ذہانت کو تسلیم کر کے عقدہ کشائی کا کام اُسے سونپنا پڑتا ہے۔

اُردو ادب کو ڈاکٹر وانی سے بہت ساری امیدیں ہیں۔ شروعات تو بڑی اچھی رہی ہے، آگے محنت، لگن اور کھلے ذہن کی توقع کی جاتی ہے جو ان کی نگارشات کو چار چاند لگا سکتے ہیں اور معاصر ادب میں ان کے لئے جگہ بنا سکتے ہیں۔

دیپک بُدکی

چیف پوسٹ ماسٹر جنرل

جے اینڈ کے سرکل، جموں توی-۱۸۰۰۰۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

محمد شاہد پٹھان

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی: سنجیدہ، معتبر اور وسیع فکر ونظر کا ادیب

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی صوبہ جموں وکشمیر سے اُبھرنے والے ایک فعال جواں سال قلم کار ہیں۔ ان کا شمار نئی نسل کے اُن ادیبوں میں ہوتا ہے جو ایک سلجھی ہوئی، سنجیدہ، تعمیری اور وسیع فکر ونظر رکھتے ہیں، ڈاکٹر وانی کو نام نہاد ترقی پسندی اور جدیدیت کی حدود وہدایات اور انتہا پسندیوں کا پورا گیان دھیان ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہر طرح کی ادبی فارمولا بازی اور ادعائیت سے محترز رہتے ہوئے اپنی تخلیقی اور تنقیدی ترجیحات ومعیارات قائم کئے ہیں۔ اپنی مرجح سماجی اور ادبی اطوار کی روشنی میں وہ اپنے تخلیقی وتنقیدی سفر پر گامزن ہیں۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی صاحب کو اُردو کے افسانوی ادب اور اس کی تفہیم وتنقید سے خاص دلچسپی رہی ہے۔ انہوں نے ''تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران'' (۲۰۰۲ء) کے موضوع پر کامیاب تحقیقی مقالہ (برائے پی ایچ ڈی) تحریر کیا ہے جو مطالعے سے تعلق رکھتا ہے۔ ناول کی مانند اُردو افسانہ کی تخلیق وتنقید سے بھی انہیں خاص رغبت ہے۔ گذشتہ سولہ، سترہ برس سے جہاں وہ افسانے لکھتے آرہے ہیں، وہیں بعض افسانہ نگاروں پر انہوں نے انتقادی مضامین بھی لکھے ہیں۔ وہ آزادی کے بعد کے افسانوی ادب اور اس کی تنقید کے اہم منہاج ومیلانات سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے افسانوں کے موضوعات میں وسعت ہے اور افسانوی ادب کی تفہیم وتعبیر کی کاوشوں میں دیانت اور معروضیت دیکھتے کو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ملتی ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی صاحب کے افسانے رسائل وجرائد کے حوالے سے میرے مطالعے میں آتے رہے ہیں۔ انہوں نے معاصر زندگی کا جو منظر نامہ دیکھا ہے اسے ایک حقیقت پسند فن کار کی حیثیت سے اپنے افسانوں کے توسط سے معرض بیان میں لانے کی بڑی حد تک کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ ادب کا ایک افادی، اصلاحی اور اخلاقی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے حیات افروز افکار ونظریات کا شعوری اظہار بیشتر افسانوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ میرے خیال سے تفہیم تخلیق میں قاری کی شرکت وحیثیت برحق، مگر تخلیق کار کے معتقدات کے اظہار سے یکسر انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی بھی ادبی متن اور ڈسکورس سے ادیب کے مروج معروضات واقدار کو منہا کر کے معتبر تنقید وجود میں نہیں آسکتی۔ ڈاکٹر وانی کے افسانوں کی تفہیم وتنقید کے دوران بھی ہمیں مذکورہ انتقادی سچائی کا خیال رکھنا ہوگا۔ تبھی ہم ان کے افسانوں کا مثمر ومعقول مطالعہ کر سکتے ہیں۔ نئے افسانہ نگاروں کے یہاں افسانوں میں جو موضوعات، مسائل اور مباحث سامنے آئے ہیں ان میں معاصر زندگی کا بحران وانتشار کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ آج کے انسان اور سماج کی زندگی جس قدر پیچیدہ اور مسائل بداماں ہے۔ شاید اس سے پہلے کبھی نہیں رہی ہوگی۔ اور اس پُر مصائب حیات اجتماعیہ کا جس قدر بھرپور اظہار افسانوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اتنا شاعری میں نظر نہیں آتا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ شاعری میں ایجاز، ایمائیت اور تاثرات کو زیادہ دخل ہے اور افسانہ اپنے بیانیہ آہنگ میں زندگی کے متنوع واقعات وکیفیات کو قدرے تفصیل وصراحت کے ساتھ سمیٹنے میں کامیاب رہتا ہے۔ ڈاکٹر وانی کے افسانوں کے موضوعات مختلف الجہات ہیں۔ ان کے افسانوں میں مذہبی، سماجی، سیاسی، نفسیاتی اور اقتصادی ہر قسم کے مسائل حیات کا حقیقت پسندانہ بیان موجود ہے۔ انہوں نے ایک سماجی حقیقت نگار تخلیق کار کے طور پر اپنے نقطہ نظر سے زندگی کی تلخ حقیقتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی سعی مشکور کی ہے۔

زیر نظر افسانوی مجموعے سے قبل ڈاکٹر وانی کا ایک افسانوی مجموعہ ''ہزاروں غم''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(۲۰۰۱ء) شائع ہوکر مقبول ہو چکا ہے۔ اس میں شامل کہانیوں میں بھی ان کا سیاسی وسماجی شعور بیدار نظر آتا ہے۔ چند ایک رومانی کہانیوں کے علاوہ بیشتر کہانیوں کے موضوعات موجودہ معاشرے میں اُبھرتے ہوئے متنوع مسائل کو بنایا گیا ہے۔ ''تباہی کا دروازہ'' ''مکّار'' ''تنہا پرندہ'' ''توبہ'' ''میں سوچتا ہوں'' ''ہزاروں غم'' ''شفاخانہ'' ''خونی رشتے'' ''حلق میں اٹکی چیخ'' وغیرہ ڈاکٹر وانی کے قابل مطالعہ افسانے ہیں۔ ان میں وہ ایک باشعور، حساس، بیدار مغز اور انسانیت دوست فن کار کے طور پر قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعے میں شامل زیادہ تر کہانیاں اپنے موضوع اور اسلوب بیان کے لحاظ سے قابل مطالعہ ہی نہیں بلکہ قابلِ توجہ بھی ہیں۔ بعض کہانیوں میں ڈپٹی نذیر احمد کے تعلیمی اور اصلاحی موضوعات اپنائے گئے ہیں اور کچھ افسانوں میں پریم چند کے افسانوی آہنگ سے بھی وانی صاحب نے تخلیقی استفادہ کیا ہے۔ اس کی خاص وجہ میرے خیال سے یہ ہے کہ مصنف نے اپنے علاقائی عوامی مسائل کو معرضِ اظہار میں لانے کی شعوری کوشش کی ہے۔ آزادی کے ساٹھ برس گزرنے کے باوجود ہمارے ملک میں کئی دیہی علاقوں میں زندگی کی بنیادی سہولیات فراہم نہیں ہوسکی ہیں۔ روزمرہ زندگی میں خاص اہمیت رکھنے والی سہولیات، مثلاً غذا، دوا، سڑک، بجلی، پانی، تعلیم اور دیگر سامانِ راحت سے لاکھوں انسان ہنوز محروم ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی نے جموں وکشمیر کے پس ماندہ علائق، خاص کر دیہات کے عوام کو درپیش مختلف حوائل اور مسائل کے بیان میں خاص دلچسپی لی ہے۔

افسانے کی تعمیر وبافت میں کردار نگاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عام طور پر افسانہ نگار مختلف کرداروں کو ان کی قدرتی کیفیت وصورت میں ہی پیش کرتا ہے، مگر جب افسانہ نگار اپنے اصلاحی انداز فکر کی ترویج چاہتا ہے تو کرداروں کو اپنی سوچ اور اپنے ہی احساسات کے رنگ میں ڈھال کر پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر وانی کے افسانوں میں ہمیں دونوں قسم کے کردار نظر آتے ہیں۔ یہاں چند اہم افسانوں پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''جنم بھومی کے آنسو'' مشتاق احمد وانی کا ایک اہم افسانہ ہے، اس میں انہوں نے مختلف کرداروں کے حوالے سے جموں وکشمیر کی گذشتہ دو دہائیوں میں بدلتی ہوئی،

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سیاسی وسماجی صورتحال اور وہاں کے المناک ماحول کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ افسانے کے ایک کردار (گولو) سے مخاطب ہوتے ہوئے نادر چچا یوں گویا ہوتے ہیں:

''کیا بتاؤں بیٹے تم تو یہاں کے حالات دیکھ ہی رہے ہو، نو سال سے تمہاری جنم بھومی جیسے آگ میں سلگ رہی ہے، اب تو ہمارے دن کا چین اور رات کی نیند ہم سے چھن گئی ہے۔ بیٹے وہ پہلے جیسے مزے اب کہاں کہ آدھی آدھی رات کو چلتے تھے تو کوئی پوچھتا نہیں تھا۔ لیکن اب تو پورے علاقے پر فوجیوں کا تسلّط ہے۔ ان نو برسوں میں بیٹے تمہاری جنم بھومی پر کئی بم پھٹے ہیں۔ کئی نوجوان مرد عورتیں، بوڑھے اور بچّے گولی کا نشانہ بنائے گئے، کتنی ہی بیویوں کے سہاگ اُجڑ گئے اور کتنے ہی ذبح کئے گئے، میرا بیٹا اختیار احمد بھی تو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔''

یہ کہتے ہوئے نادر چچا ایک بار پھر رو پڑے۔ وہ خود بھی رونے لگا۔ اور آس پاس کھڑے ان کے خاندان کے افراد بھی آنسو پونچھ رہے تھے، سب کے سینوں کا درد آنکھوں سے عیاں ہو رہا تھا، اس سے رہا نہ گیا تو بولا:

''چچا حوصلہ کیجئے جس مرض کا علاج نہ ہو اسے برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

نادر چچا نے تھوڑے توقف کے بعد پھر کہنا شروع کیا:

''بیٹے ہم جن حالات سے جوجھ رہے ہیں وہ بڑے مایوس کن ہیں، آدھی آدھی رات کو فوجی ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں گھروں کی تلاشی لیتے ہیں اور انہیں دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچّے ڈرو خوف سے چیخنے لگتے ہیں اور مرد و عورتیں ڈر کے مارے فوجیوں سے بات کرتے تھتھلا جاتے ہیں تو فوجی ان کی پٹائی کرتے ہیں، اب تو بیٹے ان حالات میں مجھے بہو بیٹیوں کی عصمت بھی خطرے میں دکھائی دیتی ہے کیا کریں کہاں جائیں۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے خیال سے فوجیوں کی حرکات ان سے بڑھ کر ہیں۔ مگر افسانہ نگار نے احتیاط سے بیان کی ہیں۔

''مجبوری'' بھی ایک عمدہ افسانہ ہے جس میں مشتاق احمد وانی کا ''فن'' نکھرا ہوا ہے۔ اس میں کردار نگاری کی بہترین صورت دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ افسانہ ہر طرح سے ایک کامیاب افسانہ ہے۔ اس میں افسانہ نگار کی سماجی آگہی کے ساتھ ساتھ نفسیاتی بصیرت بھی فطری طور پر بروئے کار آئی ہے۔ افسانہ نگار نے تمام کرداروں کو ان کی فطری افتاد اور کیفیات کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ افسانہ میں قاری کی دلچسپی از اوّل تا آخر رہتی ہے۔ افسانے کی شروعات یوں ہوتی ہے:

> ''چیلا رام شرما کی موت اڑتیس برس کی عمر میں ایک بس حادثے میں ہوئی تھی۔ موت نے اسے بڑی بے دردی سے اپنی جوان بیوی، ایک بیٹی چندرا اور ایک بیٹے سندرم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تھا، چیلا رام کی بیوی مندری اپنے جیون ساتھی کی بے وقت موت کے غم میں ادھ موئی سی ہوگئی تھی۔ چندرا کی عمر اس وقت آٹھ برس کی رہی ہوگی۔ اور سندرم دو سال کا۔ مندری کی بیٹی چندرا اپنی ماں سے زیادہ خوبصورت اور ہوشیار تھی۔ چودہ برس کی ہو چکی تھی لیکن قدبُت سے اٹھارہ برس کی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی لمبی گھنیری زلفیں، جھیل سی آنکھیں، صراحی دار گردن، ستواں ناک، گلاب کی پنکھڑیوں ایسے ہونٹ، موتیوں کی طرح چمکتے دانت اور گلنار کی طرح دمکتے رخساروں کو دیکھ کر یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ چندرا میں غربت کے تھپیڑے سہنے کے باوجود اتنا زیادہ حسن کیوں کر نکھر آیا ہے۔ اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ حسن اور غربت کی کشمکش میں حسن جیت گیا ہے اور غربت ہار گئی ہے۔ لیکن اس حسن کے خزانے پر ماسٹر سوہن لعل ایک شہ مار بن کر اس وقت آ بیٹھا جب اس کی ڈیوٹی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مندری کے گاؤں میں لگی۔ اس کی بیوی للتا بھی ایک پرائمری اسکول میں استانی تھی۔'' (دونوں بے اولاد ہیں)۔

ماسٹر سوہن لعل اور اس کی بیوی چالاکی سے ''چندرا'' کی شادی پچاس سال کے ایک لاغر اور شرابی آدمی پھول چند (للتا کا بھائی) سے کرانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ افسانہ نگار نے پھول چند اور اس کی دلہن چندرا کی ''شب زفاف'' کا احوال اس طرح بیان کیا ہے:

''اُس رات چندرا کا بدن جوانی کے نشے میں مہک رہا تھا۔ جس رات وہ پیاری سی دلہن کے روپ میں ایک کمرے میں اپنا لباس فاخرہ اتار کر سوگئی تھی اور اس کا بوڑھا پتی پھول چند اکھڑتی ہوئی سانسوں کے ساتھ اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ چندرا کو اسے دیکھ کر یوں لگا تھا کہ جیسے اس کے نانا بھول کر اس کے پاس آرہے ہیں۔ وہ ڈر وخوف کے مارے کانپ گئی تھی پھر اس نے اپنے گورے بدن پر لڑکھڑاتے ہوئے ہاتھوں کی سرسراہٹ محسوس کی تھی۔ ایک بوڑھا وجود اس کے مخملی جسم سے لپٹ گیا تھا لیکن لپٹتے ہی وہ آب نزول اور زکاوتِ حس کی وجہ سے ایک طرف لڑھک گیا تھا، اس وقت چندرا نے یوں محسوس کیا تھا کہ جیسے وہ تپتے ہوئے صحرا میں اکیلی العطش العطش پکار رہی ہو۔

آخر کار چندرا کی پیاس اس رات بجھی تھی جس رات ماسٹر سوہن لعل دبے پاؤں اس کے پاس آ گیا تھا، لیکن چندرا کو اپنا ہم عمر نہ ملنے کا احساس اندر ہی اندر نوچ رہا تھا، کیونکہ ماسٹر سوہن لعل خود بیالیس برس کا تھا جب کہ چندرا سولہ برس کی تھی۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد چندرا نے ایک بچّے کو جنم دیا۔ بچّے کی شکل وصورت بالکل ماسٹر سوہن لعل پر گئی تھی۔ للتا کو بے انتہا خوشی ہوئی تھی، جیسے اس کے بطن سے بچّہ پیدا ہوا ہو۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تین سال کے بعد چندرا نے ایک خوبصورت بچی کو جنم دیا، اس کی صورت بھی ماسٹر سوہن لعل پر گئی تھی۔ پھول چند تو بچّوں کا برائے نام باپ تھا، بچّوں کی ساری ذمہ داریاں ماسٹر سوہن لعل اور للتا نبھا رہے تھے۔''

ظاہر ہے کہ ہمارے سماج میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جو غریبوں کا ہر طرح سے استحصال کرتے آئے ہیں۔

''افسانہ درد بھری راتیں'' میں افسانہ نگار نے جہاں سرکاری شفاخانوں کی بدنظمی اور ڈاکٹروں کی مریضوں کے تئیں سرد مہری و بے توجہی پر روشنی ڈالی ہے وہیں دو عورتوں کے باہمی مکالمے سے مرد اساس سماج میں عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے استحصالی رویے کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ظہیرہ بیگم (ایک مریض بچی کی ماں) پاس کے بیڈ نمبر چار والی عورت (مریض بچّے کی ماں) سے معلوم کرتی ہے:

''بی بی آپ کا گھر والا کہاں ہے؟ یہ بچّہ کیوں اتنا روتا ہے؟ اس عورت کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، پھر اس نے اپنی میلی اوڑھنی سے آنسو پونچھے اور بولی:

''بہن! میرا طلاق ہو چکا ہے، میرا شوہر میرے لئے جیتے جی مر گیا ہے، اس نے مجھے محض اس لئے طلاق دیا کہ اسے شراب اور چرس پینے سے منع کرتی تھی۔ میری تین بیٹیاں ہیں اور یہ ایک بیٹا، اس کے پیٹ میں شروع سے درد رہتا ہے اور چند دنوں سے بخار اور کھانسی بھی ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ انجکشن اور دوائی سے ٹھیک ہو جائے گا۔''

لیکن یہ بچّہ بالآخر فوت ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے ایک ساتھ کئی مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ سرکاری اداروں میں بدنظمی اور عوام کو فراہم کی جانے والی اشیاء اور سہولیات کی قلت عام بات ہے۔ اس طرح سے وقت پر دوا نہ ملنے کے سبب انسانوں کی اموات ہر جگہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ ساتھ ہی بدقماش شوہروں کی بیویوں پر ظلم و ستم کی روایت بھی عام ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''بیٹی'' ایک اصلاحی انداز فکر کا افسانہ ہے، اس میں افسانہ نگار نے مرد اساس سماج کی بیٹی اور عورت کے تئیں اپنی روایتی اور فرسودہ سوچ بدلنے پر زور دیا ہے۔ دو مرد کرداروں کے حوالے سے افسانہ نگار نے ''بیٹی'' کی اہمیت اور ضرورت کا اعتراف کرایا ہے۔ ایک مرد (باپ) کے یہاں بیٹی کی پیدائش پر جو ذہنی و جذباتی کیفیت نظر آئی ہے اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''جوں ہی وہ گھر کے اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کے گھر والے چہرے لٹکائے بیٹھے تھے.....لفظ ''بیٹی'' سنتے ہی اس کے دل کی گہرائیو میں احساسِ ذمہ داری کی تیز چھری اُترتی چلی گئی، گھر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے چہرے پر جو بشاشت تھی وہ بہت جلد کافور ہوگئی۔ اُسے یہ معلوم ہوتے ہی بے حد خوف اور دُکھ ہوا کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ہزاروں لوگوں کے سامنے اس کا وجود زمین میں دھنستا جا رہا ہو اور لوگ اس کا یہ حال دیکھ کر قہقہے لگا رہے ہوں.....وہ کمرے سے اُٹھ کر برآمدے کی کرسی پر آ بیٹھا اور خیالوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔ اسے اپنا مستقبل ایک تاریک دیوار کی مانند دکھائی دینے لگا۔ اسے بار بار یہ خیال اندر ہی اندر نوچ رہا تھا کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔''

''بیٹی'' کی پیدائش سے باپ کی آنکھوں کی نیند اور دل کا سکون غائب ہو چلا ہے اس پر ذمہ داریوں کا گویا ایک کوہِ گراں آن پڑا ہے۔ اس اضطراری کیفیت میں وہ اپنے دوست مدن ورما کے یہاں جاتا ہے (جس کے تین بیٹے ہیں مگر کوئی بیٹی نہیں ہے) مدن ورما دورانِ ملاقات اپنے دوست کو لڑکی کی وقعت اور والدین کے تئیں اس کے ایثار و عقیدت کے متعلق نصیحت آمیز گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بیٹی تو خوش نصیبی کی علامت ہے، تیرے گھر لکشمی آئی ہے، میرے دوست بیٹی بہت وفادار ہوتی ہے، جس گھر میں بیٹی نہیں ہوتی وہ گھر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کھنڈر ہوتا ہے۔ بیٹی، گھر کی رونق ہوتی ہے، دیکھ میرے تین بیٹے ہیں، میری بیوی گنگوتری کی کمر میں اکثر درد رہتا ہے۔ میں جب دفتر چلا جاتا ہوں اور تینوں بیٹے اسکول چلے جاتے ہیں تو گنگوتری اکیلی درد کی وجہ سے بستر پر کراہتی رہتی ہے، کبھی کبھی ہمارے گھر کھانا بھی نہیں پکتا اور نہ برتن دھوئے جاتے ہیں۔ میں اور گنگوتری ایک بیٹی کے لئے کتنا ترستے ہیں۔ لیکن ہماری کوئی بیٹی نہیں، میری بیٹی ہوتی تو وہ گھریلو کاموں میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی، لیکن ہم بدنصیبوں کی قسمت میں ''بیٹی'' کہاں۔ اگر تو بیٹی کے پیدا ہونے پر اتنا مایوس ہوا ہے تو لا اپنی بیٹی ہمیں سونپ دے۔ ہم اسے خوشی خوشی اپنالیں گے ہمارے گھر میں روشنی آجائے گی۔''

اپنے دوست مدن ورما کی اس معقول گفتگو سے بیٹی کے تئیں اس کا نظریہ بدل جاتا ہے اور وہ اپنی بیٹی سے سچی محبت کرنے لگتا ہے۔ مدن ورما سے رخصت ہونے لگا تو اس کے چہرے پر خوشی کے آثار اور دل میں یہ احساس تھا کہ وہ سچ مچ ایک اہم اور قیمتی شے کا مالک بن گیا ہے۔

اس طرح سے ڈاکٹر مشتاق احمد وانی نے ہماری گھریلو زندگی اور اس کے معمولات میں گھر کے ہر فرد کی ضرورت اور اہمیت واضح کی ہے۔ انہوں نے اپنے دوسرے افسانوں میں بھی گھر کے بزرگوں، بہنوں اور بیٹیوں کی عظمت کا احساس قاری کے دل میں نقش کرنے کی سعی کی ہے۔ اگر انہوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا (تخلیقی سطح پر) تو آئندہ ان کا شمار تانیثی مصنفین میں بھی ہونے لگے گا۔

''دوہری مار'' ''افراتفری میں کھڑا آدمی'' ''پنجرے میں مورنی'' اور ''میٹھا زہر'' ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کے ایسے عمدہ افسانے ہیں جو اکیسویں صدی کے بہترین افسانوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ ان افسانوں کا اختصاص یہ ہے کہ یہ نئے موضوعات اور پُرکشش تکنیک کے حامل ہیں۔ زندگی کے کئی بھیانک مسائل کا احاطہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کرنے والے یہ افسانے کافی اہمیت آفاقیت اور گہری معنویت کے حامل ہیں۔

''دوہری مار'' کا پس منظر جموں وکشمیر میں پھیلی دہشت گردی ہے۔ فیضان اس افسانے کا مرکزی کردار ہے جو اپنی معصومیت کے باوجود ملی ٹینٹوں اور فوجیوں کے قہر کا نشانہ بنتا ہے۔

''افراتفری میں کھڑا آدمی'' میں مشتاق احمد وانی نے بڑی فنی چابکدستی سے پُرانی اور نئی پیڑھی کے ذہنی، تہذیبی اور فکری بُعد کی عکاسی کی ہے۔ مغربی تہذیب کن کن صورتوں میں ہندوستانی تہذیب پر حاوی ہوئی ہے مذکورہ افسانے کی قرأت سے اس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

''پنجرے میں مورنی'' ایک ایسا عمدہ افسانہ ہے جس میں رسم ورواج ذات پات اور والدین کی اپنی اولاد کے لئے رشتوں میں لاپرواہی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ افسانہ فکری وفنی اعتبار سے انتہائی دلچسپ اور متاثر کن ہے۔

''میٹھا زہر'' میں ایڈز جیسی لاعلاج بیماری، پھیلنے کے اسباب اور کئی نفسیاتی اور معاشرتی کمزوریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے اپنی فنی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے ایڈز کو انسان کی ناجائز جنسی خواہشات کے لئے ایک دھمکی Threat کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر میں ایڈز نے تمام دُنیا کے حکمرانوں اور ماہرینِ حفظان صحت کو پریشان کر رکھا ہے۔

ڈاکٹر وانی نے اپنے افسانوں کی اساس روزمرہ پیش آنے والے واقعات، مسائل اور معاملات پر قائم کی ہے، ان کے افسانوں میں ہمارا عصری معاشرہ اپنی تمام ہماہمی وگہما گہمی کے ساتھ زندگی کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں ہر مذہب ہر طبقے اور ہر جنس کے کردار تخلیق کئے ہیں۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کا یہ دوسرا افسانوی مجموعہ ''میٹھا زہر'' قبولِ عام کا شرف حاصل کرے گا۔

محمد شاہد پٹھان
شعبۂ اُردو فارسی، راجستھان یونیورسٹی، جے پور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈاکٹر ریاض احمد

''میٹھا زہر''-ایک عمومی جائزہ

اُردو ادب کے قاری کے لئے مشتاق احمد وانی کا نام نیا نہیں ہے۔ وہ تحقیقی وتنقیدی مضامین سے ایک عرصے سے متاثر کرتے رہے ہیں۔ ان کی کئی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''ہزاروں غم'' بھی شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا افسانوی مجموعہ ''میٹھا زہر'' عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ نئے تخلیق کاروں میں مشتاق احمد وانی نہ صرف سنجیدگی سے مسلسل لکھ رہے ہیں بلکہ اپنی شناخت بھی بنانے میں کامیاب رہے ہیں۔

مشتاق احمد وانی کے افسانوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے وطن، کلچر اور وراثت سے گہرا لگاؤ ہے۔ سماجی اور معاشی مسائل کو وہ بالخصوص اپنے افسانے میں پیش کرتے ہیں۔ وانی کے افسانوں میں اخلاقی ومذہبی رنگ بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ دراصل وہ معاشرے کی بے سمتی کو ایک صحیح سمت میں لے جانے کے خواہاں ہیں۔ اس ضمن میں میٹھا زہر، کوفت، مجبوری، اور شرافت وغیرہ اہم ہیں ''میٹھا زہر'' میں اچھے اور برے کی تمیز کے ساتھ ساتھ سماج میں در آئی ایسی برائیاں اور بیماریوں کی طرف اشارے کئے گئے ہیں جو آج ہمارے سامنے سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ آج ہمارے ملک ومعاشرے کے لئے ایڈز بہت بڑا چیلنج ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''دل و دماغ میں گھومتی کیل'' بھی متاثر کرنے والا افسانہ ہے اس میں ایک ایسے شریف آدمی کے کردار کو پیش کیا گیا ہے جو نہ صرف حساس واقع ہوا ہے بلکہ اپنے بچّوں کی تعلیم و تربیت ایک متوازن طریقے سے کرتا ہے لیکن اس کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ نہ صرف بیوی بلکہ بچّے بھی انہیں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دراصل وہ ایک نومولود بچّے کو لے کر جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو اس کی بیوی یہ برداشت نہیں کر پاتی ہے۔

''آخر آج میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں، میرے مرنے کے بعد ایسا کرتے تو مجھے کوئی دُکھ نہیں ہوتا..... آپ نے ان بچّوں کا بھی خیال نہیں کیا! نہ جانے آپ نے کب سے دوسری شادی کر رکھی ہے۔ کہاں رکھی ہے۔ وہ رکھیل کہو اس بچّے کی ماں کہاں ہے!''

دلدار صاحب گرج اٹھے۔

''گل بہار..... تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟ تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو۔ یہ لاوارث بچّہ ہے۔ جسے میں نے بڑی مشکل سے ایک کُتّے سے بچایا ہے۔ تم عورتیں ہر ایک معاملے کو شک کی نظر سے دیکھتی ہو۔ کیا تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں۔''

اس افسانے میں وانی نے بہت خوبصورتی سے آج کی مشکوک زندگی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

''جنم بھومی کے آنسو'' ایک اچھا افسانہ ہے اس میں اپنی مٹی سے محبت اور عقیدت کو نمایاں کیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ انسان جنم بھومی کو کبھی نہیں بھول سکتا ہے۔ چونکہ وہاں کی مٹی اور آب و ہوا اس کی فطرت کا حصہ بن چکی ہوتی ہے۔ اس لئے ان یادوں سے پیچھا نہیں چھڑایا جا سکتا۔ اس افسانے کو پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ مصنف ان حادثات و واقعات سے خود بھی دوچار ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں شدت پیدا ہوگئی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''وہ روتے ہوئے مڑ مڑ کر اپنی جنم بھومی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سمندِ تخیل پر اس کا بچپن اور لڑکپن تازیانے لگا رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ واپس دوڑ کر جائے اور اپنی جنم بھومی کے ہر شجر اور حجر کو چومے۔ انہیں گلے لگا کر جی بھر کر روئے لیکن اب وہ کار میں بیٹھ چکا تھا۔ ڈرائیور نے کار کی رفتار تیز کر دی تھی۔ پھر اس کی جنم بھومی آہستہ آہستہ اوجھل ہونے لگی تھی۔''

''دوہری مار'' میلی ٹنسی پر مبنی افسانہ ہے اس کا مرکزی کردار فیضان ہے جو کہ سرکاری ملازم بھی ہے۔ اس کے گھر میں دہشت گرد زور و ظلم کرتا ہے اور اسے اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہتا ہے لیکن انکار کرنے پر وہ فیضان سے موٹی رقم لے کر چلا جاتا ہے اس افسانے میں ایک ایسا کردار بھی ہے جو فیضان کی بہن کو بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا ہے تو وہ فوج کو غلط اطلاع دیتا ہے کہ فیضان دہشت گرد سے ملا ہوا ہے۔ اور پھر اس کے بعد فوج نے اس کے اوپر اس قدر ظلم و زیادتی کی کہ اس کے دماغ میں ایسا پھوڑا تیار ہو جاتا ہے جو اس کے جسمانی اعضا کو کبھی بھی مفلوج کر سکتا ہے۔ اس افسانے میں مشتاق احمد وانی نے بہت خوبصورتی سے ان تمام مسائل کی نشاندہی کی ہے جو میلی ٹنسی کی وجہ سے در آئے ہیں اور ہماری ایجنسی بھی اس کے تدارک میں ناکام ہے۔ فوج کو جو ذمہ داری دی گئی ہے اسے پوری ایمانداری سے نہیں نبھائی بلکہ بعض مقامات پر ان کے کردار بھی مشکوک نظر آتے ہیں۔

''افراتفری میں کھڑا آدمی'' میں مغربی تہذیب پر زبردست طنز ہے۔ جدید طرز رہائش نے ہماری مستحکم اقدار کو کس طرح متاثر کیا ہے اس کا اندازہ اس افسانے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس افسانے میں دو نسلوں کے تصادم کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

''پنجرے میں مورنی'' مشتاق احمد وانی کا ایک شاہکار افسانہ ہے جس میں چنچل رانی جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سلیقہ شعار لڑکی کی کہانی بیان کی گئی ہے جو شہری ماحول میں پلی بڑھی ہے مگر اُس کا باپ اُس کا رشتہ دیہات میں ایک ایسے لڑکے سے کر دیتا

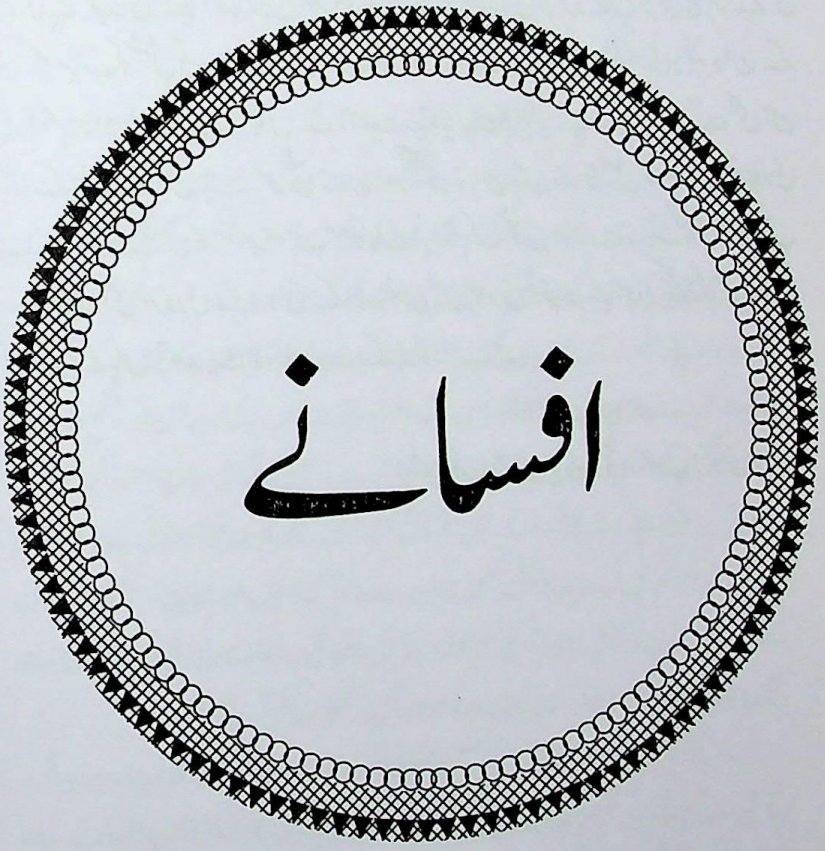
CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے جو کسی بھی لحاظ سے چنچل کے لئے مناسب نہیں ہوتا ہے۔ اس افسانے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ لڑکے لڑکی کا رشتہ طے کرنے سے پہلے والدین کو کافی ہوشیاری اور سنجیدگی برتنی چاہئیے۔ اس افسانے کا اُسلوب انتہائی متاثر کن ہے۔

مجموعی طور پر مشتاق احمد وانی نے اپنے افسانوں میں رشتوں کی بے حرمتی، اپنے عہد کی بے انصافیوں اور معاشرے میں درآئی آلودگیوں کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مہنگائی، بے روزگاری، بے ایمانی، چور بازاری وغیرہ ان کے اہم موضوعات ہیں۔ انہوں نے راست بیانیہ سے کام لیا ہے۔ فنی اعتبار سے بھی ان کے افسانے مکمل ہیں۔ صحافتی زبان اور تخلیقی زبان میں حدِ فاصل قائم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ تخلیق کا مقصد صرف معلومات فراہم کرنا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ تخلیقی پیکر میں ڈھالنا بھی ضروری ہے۔ وانی کے افسانوں میں عصری حسّیت بجا بجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کے ہاں مقصدیت اور افادیت کے پہلو غالب ہیں۔

ڈاکٹر ریاض احمد
شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی، جموں (توی)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri



CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دوہری مار

وہ برسات کی ایک خوفناک رات تھی۔ آسمان پہ گھنے سیاہ دل چھائے ہوئے تھے۔ بجلی بادلوں کو چیرتی ہوئی بار بار کوند رہی تھی اور بادل اس طرح گرج رہے تھے کہ لگ رہا تھا چند ہی لمحوں میں ایک ایسا سیلاب برپا ہو کے رہ جائے گا جو ہر شے کو اپنے ساتھ بہالے جائے گا۔ وقفے وقفے کے بعد تند و تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے جن سے کھڑکیاں اور کواڑ بجنے لگتے۔ تمام شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسی تاریکی اور ناخوشگوار موسم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پانچ اسلحہ بردار آدمی فیضان کے گھر میں پہلی بار داخل ہوئے۔ فیضان کا گھر چونکہ شہر کے ایک کنارے پر واقع تھا اور اس سے آگے ایک گنجان جنگل شروع ہوتا تھا۔ وہ شام ہوتے ہی جنگلی مخلوق کو خیر باد کہتے ہوئے شہر کی طرف نکل آئے۔ ان کی وضع قطع سے ہی دہشت جھلک رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی ڈاڑھیاں مگر سر کے بال شانوں تک بڑھے ہوئے، سیاہ پٹھانی لباس میں ملبوس اوپر سے سیاہی چمڑے کی جیکٹیں پہنے گویا اس بات کا علامیہ پیش کر رہے ہوں کہ انسان کی سیاہ کاریاں تمام حدود کو پہنچ چکی ہیں اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے اسی طرح کی وضع قطع کے آدمی درکار ہیں۔ وہ بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ دبے پاؤں قدم بڑھاتے ہوئے فیضان کے گھر پہنچ گئے۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ اندر فیضان کا بوڑھا باپ حقے کی نے منہ سے لگائے بستر پہ لیٹا ہوا تھا اور وہ خود اپنے دفتری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کاغذات میں منہمک تھا۔ فیضان کی بیوی عبیدہ اپنے آٹھ ماہ کے بچّے کو دودھ پلاتے اُونگھ رہی تھی اور اس کی دو بچیاں سوئی تھیں۔ فیضان کی ماں اپنی جوان بیٹی نخری کے ساتھ لیٹی اسے سونے کے لئے کہہ رہی تھی مگر نخری بی اے کے امتحان کے آخری پرچے کی تیاری میں ابھی تک بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ وہ بھی اب لیٹنے ہی والی تھی کہ باہر دروازے پہ دستک ہوئی۔

'کون ہے''؟ فیضان نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''دروازہ کھولو، ہم مسافر ہیں، ہمیں روشنی اور راستہ دکھاؤ بہت اندھیرا ہے۔''

ان کے سرپرست نے بڑے نرم لہجے میں کہا اور اس کے دو ساتھی بندوقیں تانے دروازے کی دونوں جانب کھڑے رہے۔ فیضان نے کپکپاتے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔ تین آدمی اندر داخل ہوئے اور دو باہر حفاظتی پوزیشن میں کھڑے رہے۔ چند لمحوں تک زندگی اور موت کے سائے اندر اور باہر منڈلاتے رہے۔ عبیدہ کی آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی اور فیضان کے ماں باپ اپنی نوجوان بیٹی نخری کے پاس سہمے اور سمٹے ہوئے بیٹھے تھے۔

''کوئی بھی باہر جانے کی کوشش نہ کرے، ہمارے لئے کھانا تیار کرو، بھوک نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے۔ ہمارے دو آدمی باہر کھڑے ہیں۔'' سرپرست نے کسی حد تک دھمکی آمیز رویّہ اختیار کیا۔

فیضان کے باپ نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا.....! کوئی..... بات نہیں..... آپ..... بیٹھئے..... کھانا کھایئے..... آرام کیجئے۔''

فیضان کی ماں، اس کی بیوی اور بہن تینوں کھانا پکانے میں لگ گئیں، سب پہ ڈر و خوف طاری تھا۔ کب کیا ہوگا کسی کو معلوم نہ تھا۔ سرپرست نے فیضان سے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

''تمہارا کیا نام ہے؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''فیضان''

''کیا کام کرتے ہو؟''

''محکمہ حیوانات میں چوتھے درجے کا ملازم ہوں۔''

''کتنے بھائی ہو؟''

''میرا کوئی بھائی نہیں ہے، تین بہنیں ہیں دو شادی شدہ ہیں اور ایک ابھی کنواری ہے۔''

''ہمارے ساتھ چلو گے''؟

''بھائی صاحب!.....نہیں.....چل سکتا..... چھوٹے چھوٹے.....بچوں کو چھوڑ کر.....کہاں جاؤں!''

فیضان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور اس کے باپ نے سرپرست کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! میرا یہ ایک ہی لعل ہے.....اس کو ساتھ نہ لے جانا.....میرا دم نکل جائے گا۔''

''ہمارے ساتھ چلو یا پھر پچاس ہزار روپیہ دو ہم تمہاری آزادی کے لئے دن رات لڑ رہے ہیں اور تمہیں بیوی بچے پیارے ہیں''؟

یہ کمر توڑ مطالبہ سنتے ہی فیضان اور اس کے افراد خانہ کے دل و دماغ میں مایوسی کی ایک سنسناہٹ دوڑ گئی۔ عورتیں یوں بھی کافی رقیق القلب ہوتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو اُتر آئے۔ فیضان کے باپ نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا.....! غریب آدمی ہیں، پچاس ہزار کہاں سے دے پائیں گے۔ کچھ رحم کرو، خدا تمہیں کامیاب کرے!''

''بڑے میاں! آپ خاموش رہئے، میں آپ سے نہیں آپ کے بیٹے سے بات کر رہا ہوں۔''

فیضان کا باپ سر نیوڑھائے خاموش ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اسے کسی نے دفعتاً ایک گہرے کنوئیں میں دھکیل دیا ہو۔ فیضان کی ماں یہ سب گفتگو سن رہی تھی۔ اس سے تحمل نہ ہوا۔ وہ روتی ہوئی آئی اور اپنے سر کا دوپٹہ سرپرست کے پاؤں کے آگے پھیلا کر بولی۔

''بیٹا! میں تمہیں اپنے بیٹے فیضان کی طرح سمجھتی ہوں خدا کے لئے ہم پہ کچھ تو رحم کرو۔ تم دیکھ رہے ہو ہماری جوان بیٹی ہے جس کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہمیں اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ پچاس ہزار روپیہ تو ایک موٹی رقم ہوتی ہے۔ ہم غریبوں کے پاس اتنا روپیہ کہاں ہے؟ ایک بیٹا کمانے والا اور دس کھانے والے ہیں۔''

فیضان کی ماں کی آہ و بکا سن کر سرپرست کا دل کچھ پسیج سا گیا اس نے کہا ''لو بیس ہزار معاف کرتا ہوں۔ تیس ہزار روپے چار دن کے اندر اندر ہمارے حوالے کردو، ورنہ اپنے آپ کو خطرے سے خالی نہ سمجھنا۔'' پھر اس نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں کان کھول کر سن لو، زیادہ چالاک اور ہوشیار بننے کی کوشش نہ کرنا، اگر تم میں سے کسی نے بھی پولیس یا فوج کو ہمارے بارے میں کوئی بھی سراغ دیا تو یاد رکھنا یہیں تمہاری لاشوں کا ڈھیر لگے گا اور اس کو بھی دیکھ لینا، یہ کسی کا لحاظ نہیں کرتی ہے۔'' اس نے اپنی یو-ایم-جی کی طرف اشارہ کیا۔

کھانا تیار ہو چکا تھا۔ فیضان نے ان تینوں کے لئے کھانا لایا، انہوں نے سیر ہو کر کھایا۔ سرپرست نے اپنے ہمراہ دونو جوانوں کو باہر ڈیوٹی پر بھیج دیا اور باہر والے دو اندر آ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے بعد انہوں نے اپنے اپنے ہتھیار اور پٹھو اٹھائے اور ان کے سرپرست نے فیضان کو کہا۔

''ہم جا رہے ہیں، چار دن کے بعد ہمارے دو آدمی یہاں آئیں گے اور تم تیس ہزار روپئے ان کو دے دینا'' یہ کہتے ہوئے وہ سب باہر نکل آئے اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

آدھی رات بیت چکی تھی، فیضان اور اس کے اہل خانہ انتہائی غمگین تھے ان کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آنکھوں سے نیند اُڑ چکی تھی اور دلوں سے چین چھن چکا تھا۔ تیس ہزار روپے کا بندوبست ان سب کے دماغ میں گھوم رہا تھا اور بروقت ادائیگی نہ ہونے پر جان سے ہاتھ دھونا طے پایا تھا۔ آہوں اور سسکیوں میں رات گزر گئی۔ دوسرے دن فیضان کے باپ نے اس سے پوچھا۔

''بیٹا! اب کیا ہوگا تیس ہزار روپئے کا مسئلہ ہے؟''

''ابا! آپ فکر نہ کریں میں اپنی تیرہ سالہ جمع پونجی بینک سے نکال لے آؤں گا۔''

عبیدہ اندر باپ بیٹے کی گفتگو سن رہی تھی وہ فوراً باہر فیضان کے پاس آئی اور اپنی گوری کلائیوں سے سونے کے کنگن اتارتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ لیجئے میرے یہ سونے کے کنگن بھی دے دیجئے، میرا سرتاج سلامت رہے تو میرے لئے سب سے قیمتی زیور یہی ہے!''

''بہورانی! اس طرح مجھ نصیبوں جلے کا چہرہ نہ نوچو، یہ کنگن پہن لو، تمہاری یہ ادا مجھے اچھی نہیں لگی۔''

عبیدہ اندر چلی گئی اور سونے کے کنگن دیر تک وہیں پڑے رہے۔ فیضان نے کنگن اٹھائے اور بیوی کے حوالے کئے اور خود پاس بک لے کر بینک میں چلا گیا۔

فیضان جب تیس ہزار روپے لے کر گھر پہنچا تو اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کا سب کچھ لُٹ چکا ہو۔ مگر دوسری طرف اسے اس بات کا بھی اطمینان ہو رہا تھا کہ تیس ہزار روپے کے بدلے اگر اس کی جان بچ جاتی ہے تو وہ لاکھوں کما سکتا ہے۔

پورے چار دن کے بعد دو اسلحہ بردار آدمی اپنے سرپرست کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فیضان کے گھر میں تیس ہزار روپئے وصول کرنے اس وقت داخل ہوئے تھے جب تقریباً تمام شہر کے لوگ مست نیند کے عالم میں سوئے ہوئے تھے اور فرشتے شیطانی رقص پر آنسو بہا رہے تھے مگر فیضان اور اس کے افراد خانہ سے نیند کی پری روٹھ چکی تھی۔ وہ سبھی بیٹھے اپنی تقدیر کا رونا رو رہے تھے کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔ فیضان لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا اور حواس باختہ طور پر دروازہ کھول دیا۔ وہی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وحشت ناک صورتیں اس کے سامنے کھڑی تھیں جن سے وہ پناہ چاہتا تھا۔ ان دو میں سے ایک باہر ہی کھڑا رہا اور دوسرا اندر داخل ہوا۔ اے۔ کے سنتالیس اس کے ہاتھ میں تھی اس نے آتے ہی نخوت بھرے لہجے میں فیضان سے کہا۔

''تیس ہزار روپے''

''بیٹھئے.....ابھی.....دے دیتا ہوں۔'' فیضان نے تھرتھراتے ہوئے جواب دیا۔

''جلدی کرو واپس جانا ہے''

فیضان نے دس دس ہزار روپے کی تین گڈیاں نکالیں اور اس دہشت گرد کے حوالے کیں۔ اس نے تیس ہزار روپیہ جیب میں ڈالا اور چلتا بنا۔

ایک ہفتے کے بعد شہر سے تھوڑی دور قومی شاہراہ پر ایک زبردست بم پھٹا مگر اس سے کوئی بھی جانی و مالی نقصان نہیں ہوا۔ انتہا پسندوں نے ایک سرحدی فوج کی گاڑی کو اڑانے کے لئے بارودی سرنگ بچھائی تھی لیکن وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اب فوج پورے شہر میں گشت کرنے لگی، ہر شخص اور ہر مقام کو مشتبہ خیال کرنے لگی۔ چنانچہ تمام چھوٹی بڑی گاڑیوں میں سوار مسافروں کو نیچے اتار کر ان کی تلاشی اور شناختی کارڈ دیکھے جانے لگے۔ فوجی دستے اپنے شکاری کُتے اور بم کو ناکارہ کرنے والی مشین کے ساتھ قومی شاہراہ کا معائنہ کرتے۔ شام ہوتے ہی فوجی کیمپوں سے ہوائی فائرنگ شروع ہو جاتی اور آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

ایک روز عبیدہ کو سر درد نے گھیر لیا تو فیضان اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلا۔ وہ ایک لوکل بس میں سوار ہوئے۔ آدھے گھنٹے کے بعد بس شہر کے ایک چوراہے پر پہنچی تو فوجیوں نے اسے روک لیا۔ فوجی کمانڈر نے تمام مردوں کو بس سے نیچے اُتارنے اور ایک قطار میں کھڑا کر کے ان کے شناختی کارڈ دیکھنے کا حکم دیا۔ تمام مرد سواریاں ایک لمبی قطار میں کھڑی ہو گئیں۔ فوج کا کمانڈر انسان کی گمشدگی اور اس کی تلاش میں مبہوت ایک طرف کھڑا اپنے حکم کی تعمیل کا ردعمل دیکھ رہا تھا مگر ایک عام آدمی پہ خوف و حراس طاری تھا۔ فیضان بھی قطار میں کھڑا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ قطار میں کچھ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لمبی ڈاڑھیوں والے کچھ بالکل چھوٹی ڈاڑھیوں والے اور کچھ ڈاڑھیاں منڈوائے ہوئے مسافر کھڑے اپنی اپنی شناخت کروا رہے تھے کہ فوجی کمانڈر نے آواز بلند کہنا شروع کیا۔

''یہ لمبی ڈاڑھی والا سالا اوپر والے کے پیچھے پڑا ہے۔ یہ ہر وقت آکاش سے اوپر اور دھرتی سے نیچے کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ اسے راج نیتی میں روچی ہے نہ دھن دولت کی واسنا، اس میں کرودھ ہے نہ لوبھ، یہ سالا تو سنسار کو نرک سمجھ بیٹھا ہے اور یہ چھوٹی ڈاڑھی والا نایہ سالا ہمارے پیچھے پڑا ہے۔ یہ ہمیں جیوت دیکھنا نہیں چاہتا، اسی سالے نے ساری سمسیائیں کھڑی کی ہوئی ہیں، یہ ہے ہمارا اصلی بیری۔''

قطار میں کھڑے ایک منچلے نوجوان سے رہا نہ گیا اس نے ہمت جٹاتے اور ہنستے ہوئے کمانڈر سے پوچھ ہی لیا۔

''صاحب جی! اس ڈاڑھی منڈوانے والے کو آپ نے کس درجے میں رکھا؟''

کمانڈر نے تیور بدلے اور کہا۔

''ارے اس کا بھی لفڑا ہے، یہ سالا چھوکریوں کے پیچھے پڑا ہے۔''

تمام مسافر اور فوجی جوان اپنے کمانڈر کا یہ مزاحیہ جملہ سن کر اپنی ہنسی کے فوارے پہ قابو نہ پا سکے اور پورے مجمع میں ایک زوردار قہقہہ گونج اٹھا۔ تمام سواریاں دوبارہ بس میں سوار ہوئیں اور بس ایک زناٹے کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھی۔

فیضان نے عبیدہ کو ڈاکٹر سے چیک کروایا تو ڈاکٹر نے سر درد کا باعث مسلسل سوچ وفکر اور ذہنی تناؤ بتایا۔ ڈاکٹر نے اسے دوائی دینے کے بعد اس بات کی خاص ہدایت کی کہ وہ اپنے آپ کو آزاد رکھے اور ذہنی انتشار سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ عبیدہ نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا اور تقریباً چار ماہ کے بعد اس کے سر درد میں کافی کمی آ گئی۔ فیضان اور اس کے اہل خانہ کو اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان کی زندگیوں میں اعتدال وتوازن اور سکون کی سی فضا پیدا ہو رہی ہے۔ گھر کا ہر فرد اپنے اپنے کام میں مگن تھا۔ نخری کے چہرے پہ جوانی کا نکھار

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

روز افزوں شدت اختیار کر رہا تھا۔ اس کی قاتلانہ اداؤں پہ کئی اوباش فدا تھے۔ مگر اس میں شرم وحیا اور عزت وعصمت کا جذبہ قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ نخری کے والدین کو نخری کے مناسب رشتے اور اس کی شادی کی فکر ستا رہی تھی کہ ایک دن نخری کی خوبصورتی اور اس کی دلکش ادائیں ایک زبردست تصادم کا باعث بنیں ہوا یوں کہ ایک ہفتے تک مسلسل بارش برستی رہی۔ خنک ہواؤں کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا مشکل ہو رہا تھا پھر ایک دن موسم بالکل خوشگوار ہو گیا۔ سورج دیوتا نے اپنا جلوہ دکھایا تو لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر آ کر آنگنوں اور مکانوں کی چھتوں پر اس کے درشن کرنے لگے۔ نخری بھی نہا دھو کر اپنے ہی مکان کی چھت پر آئی اور کرسی لگا کر اپنے گیلے بال سکھانے بیٹھ گئی۔ تھوڑے وقت کے بعد نخری کے پڑوس کا مشہور غنڈہ منور بھی اپنے مکان کی چھت پر آ گیا۔ اس نے جونہی نخری کے حسن کا بانکپن دیکھا تو وہ آپے سے باہر ہونے لگا۔ اس نے ایک فلمی اداکار کی طرح نخری کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے گیت کے یہ بول گنگنانے شروع کر دیئے۔

تو بھی کمال کی ہے ہم بھی کمال کے
چُنری بندھ جائے تیری میرے رومال سے

اور پھر نخری کے دیکھنے پر اس نے اپنی خبیث آنکھ کا کرتب بھی دکھا دیا۔ نخری نے غم وغصے کی حالت میں فوراً اپنے پیر کی چپل ہاتھ میں لی اور رُکار کے اسے دکھائی اور پھر روتی ہوئی مکان کے اندر چلی گئی ماں نے پوچھا کیا بات ہوئی تو اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''اماں.....! منور بدمعاش ہے۔ اس کی آنکھیں میلی ہیں، وہ تو آج بدتمیزی پہ اُتر آیا!''

نخری کی ماں یہ سن کر ہکا بکا رہ گئی۔ فیضان تھکا ہارا دفتر سے آ کر کپڑے بدل رہا تھا کہ اس کے کانوں میں نخری کے رونے کی آواز پڑی تو اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس نے ہاتھ میں چھرا اٹھایا اور بپھرتا ہوا بغیر کسی سے بات کئے منور کے گھر کی طرف

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چل پڑا۔ اس کی ماں، بہن اور بیوی نے اسے روکنے کی بھرپور کوشش کی مگر اس نے سب کو دھکے مارے اور آگے بڑھ گیا اس کے دھکے سے وہ سب ادھر اُدھر جا گریں۔ فیضان منور کے گھر کے باہر پہنچا۔ منور کا باپ گھر کے صحن میں بیٹھا دھوپ تاپ رہا تھا۔ فیضان نے گرجتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کہاں ہے منور؟ اسے باہر نکالو، میں آج اس کے ٹکڑے کرنے یہاں آیا ہوں۔'' منور کا باپ بوکھلا گیا اس نے پوچھا۔

''بیٹا یہ آج تم کیا کہہ رہے ہو؟ منور کی جان کے درپے ہو! اس نے ایسا کیا کام کیا ہے کہ تم اسے مارنے چلے آئے ہو۔''

''میں کہہ رہا ہوں تم اسے باہر نکالو'' فیضان کا خون کھول رہا تھا کہ اسی دوران منور بھی اندر سے ڈنڈا لے کر باہر کی طرف آیا اور اس نے بھی فیضان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

''اگر تو نے ماں کا دودھ پیا ہے تو آگے آ۔''

چھرا اور ڈنڈا آپس میں ٹکرانے ہی والے تھے کہ تب تک سیانے لوگ بیچ میں حائل ہو گئے کچھ لوگ فیضان کو پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور کچھ منور کو سمجھانے بیٹھ گئے۔ فیضان نے جاتے جاتے منور کو کہہ دیا۔

''آج کے بعد اگر تو نے میری بہن تو کیا کسی بھی ماں، بہن بیٹی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میں تیری آنکھیں پھوڑ دوں گا۔''

منور میں ہر طرح کی بری عادتیں موجود تھیں۔ اس نے چار سال کے بعد اپنے آپ کو فوج کے حوالے کیا تھا۔ ان چار برسوں میں اس نے کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور کئی ماؤں، بہنوں کی عزت لوٹی تھی۔ اس کی وجہ سے ''تنظیم'' بالکل بدنام ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے آپ کو فوج کے حوالے کر دیا تھا۔ اب فوجی اس سے ایک شکاری کتے کے طور پر کام لیتے تھے۔

منور کے دماغ میں فیضان کی گالیاں اور دھمکیاں گونج رہی تھیں۔ انتقام کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آگ اس کے دل میں بھڑک چکی تھی۔ ایک دن منور فوج کے کمانڈر کے پاس چلا گیا اور اس سے فیضان کی شکایت کی کہ وہ دہشت گردوں کو اپنے گھر میں پناہ دیتا ہے اور ان کی مالی معاونت کرتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ کمانڈر اپنے چالیس سپاہیوں کو ساتھ لے کر فیضان کے گھر پہنچ گیا، کچھ سپاہیوں نے مکان کو چاروں طرف سے اپنی مخصوص فوجی پوزیشن میں گھیر لیا اور کچھ اپنے کمانڈر کے ہمراہ فیضان کے گھر میں داخل ہوئے۔ شکاری کتا ان کے ساتھ تھا۔ اتوار کا دن تھا فیضان گھر پر تھا۔ فوجیوں نے اندر داخل ہوتے ہی فیضان کو اپنی حراست میں لے لیا اور تمام گھر کے افراد کو باہر نکال دیا مگر فیضان کے باپ کو اپنے ساتھ اندر لے جا کر گھر کی ہر شئے کا معائنہ کروایا۔ جب کمانڈر کو فیضان کے گھر میں کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہوئی جس کا تعلق تخریبی کارروائی سے ہوتا تو اس نے گرجتے ہوئے فیضان سے پوچھا۔

''تم آتنک وادیوں کو شرن دیتے ہو اور ان کی ساہتیا کرتے ہو۔''

''صاحب جی! ہم تو ان کے خلاف ہیں۔ ہمارے گھر میں آج تک کوئی بھی آتنکی نہیں آیا ہے۔ یہ سراسر ہم پہ الزام ہے۔'' فیضان نے بلا جھجک جواب دیا۔

کمانڈر نے کہا:

''سب معلوم ہو جائے گا۔'' پھر اس نے فیضان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔

''اسے گاڑی میں بیٹھا دو۔''

فیضان کو گاڑی میں بیٹھایا گیا تو اس کے گھر والوں نے رونا شروع کر دیا۔ اسے فوجیوں نے اپنے کیمپ میں لایا اور رات بھر اُسے زدوکوب کرتے رہے۔ دوسرے دن انہوں نے اسے پولس کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے اسے دس دن کے لئے اذیت خانے میں بھیج دیا جہاں اذیت رساں افراد نے اسے اذیت دینے میں کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی۔ اس کے ناخن پلاس سے اکھاڑ دیئے گئے اور بجلی کے شاک دے دے کر اسے ایک طرح کا مفلوج بنا دیا۔ دس دن کے بعد جب فیضان اپنے گھر لوٹا تو اس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ماں باپ اور بیوی بچّے اسے پہچان نہیں پائے۔ وہ بھی اس کے غم میں ادھ مرے سے ہو کے رہ گئے تھے۔ نخری نے اپنے بھائی کو دیکھا تو اس سے لپٹ کے دیر تک روتی رہی۔ ماں کا درد بھی اشکوں میں بہتا رہا۔ باپ کی آنکھیں الگ نم ہو رہی تھیں۔ فیضان کی آمد پر جہاں گھر کے افراد میں خوشی کی لہر سی دوڑ گئی تھی وہیں رنج و غم کی جھلکیاں بار بار اُبھر رہی تھیں۔

دو ماہ کے بعد فیضان کے سر میں درد کی ترنگ سی اُبھرنا شروع ہوگئی جو بتدریج بڑھتی ہی چلی گئی۔ ڈاکٹروں نے جب اس سے متعلق اپنے طبعی طریقہ تشخیص کی رپورٹ دیکھی تو معلوم ہوا کہ اس کے دماغ میں ایک ایسا پھوڑا تیار ہو رہا ہے جس سے اس کی قوت گویائی سلب ہو جائے گی اور پھر دھیرے دھیرے اس کے تمام حواس خمسہ کام کرنا چھوڑ دیں گے!

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کوفت

راجندر یادو کا باپ ذیابیطس کا مریض تھا۔ اس مرض نے اس کے وجود کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ زبان میٹھا کھانے کو ترستی اور ترستی ہی رہ جاتی۔ کیونکہ ڈاکٹر نے میٹھی چیز کھانے سے منع کر دیا تھا۔ اس کے باوجود اُٹھتے بیٹھے اُس کے بدن سے ٹوٹن کی سی آواز پیدا ہوتی اور کبھی کبھی تو مرض کی شدت کے باعث بے ہوشی اور غشی سی طاری ہو جاتی۔

راجندر یادو آج اپنے باپ کے لئے دوائی خریدنے شہر کے ایک مخصوص دواخانے پر آیا تھا۔ دوائی خریدنے کے بعد اُس نے چاہا کہ وہ ٹیلی فون کر کے اپنے باپ اور اہل وعیال کی خیریت معلوم کر لے چنانچہ وہ گلی کے نکڑے پر بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے باہر انگریزی کے موٹے حروف میں ایس ٹی ڈی، پی سی او، آئی ایس ڈی لکھا ہوا تھا۔ ان حروف سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہاں پر ملک اور بیرون ملک کے علاوہ لوکل ٹیلی فون کی سبھی سہولیات میسر ہیں۔ کمرے میں لوگوں کی کافی بھیڑ تھی جن میں کالج اور یونیورسٹی میں زیر تعلیم لڑکیاں اور لڑکے بھی شامل تھے۔ راجندر یادو نے لوکل فون کرنا چاہا لیکن ایک نوجوان اپنی کسی معشوقہ سے محوِ گفتگو تھا۔ اس لئے راجندر ایک طرف بینچ پر بیٹھ کر نوجوان کی باتیں سنتا رہا۔ نوجوان فون پر اپنی معشوقہ سے اس طرح کی باتیں کر رہا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''سنو بھارتی! تمہیں میرا یقین نہیں آتا، میں تم سے سچا پیار کرتا ہوں..... ہاں ہاں سچا پیار..... میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں..... اگر تم چاہو گی تو سب کچھ ہوسکتا ہے..... ہاں ہاں..... جی ہاں بہت اچھا..... کل کتنے بجے.....؟ سنگم ہوٹل کے باہر..... تین بجے..... ٹھیک ہے..... ہاں ہاں، مگر کسی کو پتہ نہ چلے..... اچھا اچھا..... او ڈارلنگ! اس عمر میں گھبرایا نہیں کرتے..... اچھا..... فون چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا..... مگر کیا کروں..... اچھا او- کے۔''

نوجوان نے ٹیلی فون والے سے بل دریافت کیا تو اُس نے بیس روپے بتائے نوجوان نے بڑے متکبرانہ انداز میں بیس روپے کا نوٹ اُسے دیا اور چلتا بنا۔ راجندر یادو نوجوان کے ریسیور چھوڑنے تک اپنی نشست سے تین بار کھڑا ہوکر جھنجھلاتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے سے غم و غصے کے آثار نمایاں ہورہے تھے۔ اوپر سے جون مہینے کی گرمی نے رہی سہی کسر پوری کردی تھی، اس نے اپنے وجود کو سمیٹا اور گھر کا ٹیلی فون نمبر ڈائل کیا۔ ایک منٹ میں اُس نے اپنے گھر کے افراد کی خیریت معلوم کی۔ اس کے باپ کی صحت قدرے ٹھیک تھی، اس نے اطمینان کی سانس لی اور دو روپے جیب سے نکال کر ٹیلی فون والے کو دیئے اور دکان سے باہر نکل گیا۔ باہر آکر وہ سیدھا بس پر سوار ہوا لیکن ایک مسلسل سوچ اور ذہنی اذیت اسے ہر لمحے مایوس کئے جارہی تھی۔ اس کے دماغ میں اُس نوجوان کی باتیں گونج رہی تھیں۔ جو بڑی بیباکی سے اپنی معشوقہ سے ٹیلی فون پر باتیں کررہا تھا۔ راجندر یادو خود ایک اصول پرست اور نیک طبیعت انسان تھا۔ اسے فضول باتوں اور بری عادتوں سے سخت نفرت تھی۔

بس ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کرچکی تھی کہ اتنے میں راجندر کو تاڑ تاڑ کی آواز سنائی دی۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو ایک پچیس سالہ لڑکی ایک پولیس والے کو گریبان سے پکڑ کر اس کے سر پر چپل سے زور زور سے شاباشی دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''کیا تیری ماں بہن نہیں ہے؟ تو نے کیا مجھے ویشیا سمجھا ہے جو تو اس طرح کی حرکت کر رہا ہے؟ آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

لڑکی کا چہرہ اور اس کی آنکھیں غصے سے سُرخ ہوگئی تھیں اور اس نے پوری گرفت سے پولیس والے کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا۔ پولیس والا لڑکی سے کہہ رہا تھا۔

''لڑکی! تم کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ تم تو میری بہن کی طرح ہو۔''

''اب میں تجھے بہن نظر آنے لگی۔'' لڑکی نے بڑی تلخی سے جواب دیا۔

بس میں بیٹھی سواریاں کچھ تو بڑی دلچسپی سے یہ نظارہ دیکھ رہی تھیں اور کچھ ڈر وخوف سے بالکل خاموش تھیں۔ آخر کار ایک ادھیڑ عمر مرد اور اس کی بیوی اُٹھے اور انہوں نے بڑی منت سماجت اور خدا کا واسطہ دے کر پولیس والے کو لڑکی کی گرفت سے آزاد کیا اور بس چل پڑی۔

بس میں بیٹھے راجندر یادو سوچتے سوچتے اس بات پر پہنچا کہ یہ دنیا بھی ایک بس کی مانند ہے جس میں ہم سبھی سوار ہیں ان مسافروں کی طرح جو وقت کے ساتھ اپنی اپنی منزل پر اُتر جاتے ہیں اور ہم اپنی سیٹ دوسروں کے لئے خالی کر دیتے ہیں۔ ہماری پیدائش کا کیا مقصد ہے؟ کیا صرف کھانا پینا اور کمانا؟ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ تو جانور بھی کرتے ہیں۔ انسان میں اگر انسانیت نہ ہو تو جانور اور انسان میں کوئی بھی فرق نہیں رہتا۔ ہاں ہاں بالکل درست ہے مگر آج کا انسان تو انسان نہیں رہا۔ انسانیت ناپید ہوتی جارہی ہے اور حیوانیت پروان چڑھ رہی ہے۔ آدمی جب انسان تھا تو دنیا میں امن وامان تھا۔ اب جب کہ آدمی نے حیوان کا روپ دھارن کیا ہے تو امن وسکون عنقا ہو کر رہ گئے ہیں اور اب تو صرف ہوس پرست، مال وزر کے پجاری، جھوٹے تلک دھاری، جھوٹے مولوی اور جھوٹے کرم دھرم والے پیدا ہو رہے ہیں۔ خواہشوں کے سوداگر اور ریاکاری کے رسیا، اپنی اپنی بازی کھیل رہے ہیں۔ دل کے کھوٹے اور جسم کے موٹے اپنے شکموں میں بیماریوں کا مرکب اُتار رہے ہیں۔ مجھے تو سبھی خواہشوں کے دلال بس صرف روپے کے دیوتا پر ناک رگڑتے نظر آرہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔اُف! ہری اوم! دیا کرو پربھو! دیا کرو۔

راجندر یادو خود سے سوال اور خود ہی سے جواب طلب کرتے کرتے اپنے گھر کے قریب پہنچ گیا۔اُس نے بس رکوائی اور نیچے اُتر گیا۔وہ تھکا ماندہ گھر کے اندر داخل ہوا تو بچّوں نے اسے دیکھتے ہی چاروں طرف سے گھیر لیا۔چھوٹی بچی منی بولی۔

''پاپا! آپ میرے لئے گڑیا لائے ہیں؟ دکھاؤ کہاں ہے میری گڑیا؟''

''منی! مجھے یاد نہیں رہا تیری گڑیا کل لے آؤں گا۔''

چھوٹا لڑکا تیرتھ بولا ''پاپا! میرے لئے بیگ لائے ہیں۔ مجھے اسکول میں میڈم ڈانٹتی ہے کہ تیرا بیگ بہت پرانا ہو گیا ہے نیا بیگ لا۔''

بڑا لڑکا سونو بولا..... پاپا! ہمارا اسکول اگلے سنیچر کو سیر پہ جا رہا ہے اس لئے مجھے بس کرائے کے لئے پچاس روپے دیجئے۔ورنہ میں سیر کرنے نہیں جا سکوں گا۔''

''بیٹا لے جانا'' راجندر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

راجندر یادو کی بیوی نیناں نے بچّوں کو سنبھالا اور شوہر سے بولی۔

''آپ کپڑے بدل لیجئے اور نہا دھو کر کھانا کھا لیجئے، آپ کے کپڑوں سے مجھے پسینے کی بدبُو آ رہی ہے۔''

''ہاں کپڑے بدل کے نہا لوں گا۔ پتا جی کہاں ہیں؟'' راجندر نے بیوی سے پوچھا۔

''آرام کر رہے ہیں۔'' بیوی نے جواب دیا۔

راجندر نے نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے اور شام کا کھانا کھایا اس کے بعد اس نے اپنے باپ کو دوائی دی۔ بچّے پہلے ہی روتے ہنستے کھانا کھا کر سو گئے تھے۔رات کے ساڑھے دس بج چکے تھے۔کھانا کھانے کے فوراً بعد راجندر کی آنکھوں میں نیند کا خمار اُترنے لگا۔اُس کے ہاتھ پاؤں میں کچھ جلن سی پیدا ہو رہی تھی۔وہ اب آرام کرنا چاہتا تھا —— اس نے بیوی سے کہا۔

''نیناں! میں بستر پہ جا رہا ہوں، تم میرے پاؤں میں تیل لگا کر انہیں خوب

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تلسنا تا کہ مجھے آرام کی نیند آئے۔ میرے پاؤں میں جلن سی ہو رہی ہے۔''

''ہاں آپ سو جائیں۔ میں تیل کی مالش کر دوں گی۔''

راجندر اُٹھا اور بستر پر لیٹ گیا۔ اُس کی بیوی نیناں نے رسوئی میں برتن مانجھے دودھ گرم کر کے دہی جمانے کے لئے رکھ دیا اور تب اُس نے تیل لے کر راجندر کے سر اور پاؤں میں لگایا اور خوب مالش کی۔ راجندر آرام سے سو گیا۔ اب گھر کے سبھی افراد سو گئے تھے۔ لیکن پچپن سال کے بسنتو چوکیدار نے جوں ہی اپنا بانس نما ڈنڈا زور زور سے زمین پر مار کر یہ ہانک ماری کہ ''جاگتے رہیو'' تو اس کی کرخت آواز سن کر راجندر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ لیٹے لیٹے غصے سے بڑبڑایا۔

''تیرا ناس ہو! تو نے ہمارے ہی گھر کے پاس آ کر یہ ڈنڈا مارنا اور یہ بیل کی سی آواز دینی تھی!''

راجندر نے کروٹ بدلی تا کہ نیند کی دیوی اُس پر چھا جائے لیکن نیند اب اس کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ اس کے ٹیلی فون کی گھنٹی ٹرن ٹرن کرتی بج اُٹھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے وجود کو سمیٹا اور اُٹھ کر ٹیلی فون کا ریسیور ہاتھ میں لیا اور کہا۔

''ہیلو!'' فون پر کوئی نسوانی آواز کہہ رہی تھی۔

''نمستے جیجا جی!''

''نمستے!'' راجندر نے جواب دیا۔

''میرے پتی دیو جی آپ کے گھر پر آئے ہیں؟''

''کون پتی دیو جی.....؟ آپ نے کون سا نمبر ڈائل کیا ہے؟''

''515012''

''ہاں تو یہ رانگ نمبر ہے ——'' بڑی جھنجھلاہٹ سے راجندر نے یہ کہتے ہوئے ریسیور چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر شکنیں اُبھریں اور وہ بستر پر چلا گیا۔ اس کے دل کو یہ احساس اندر ہی اندر نوچ رہا تھا کہ لوگ کتنے بے فکر اور غیر ذمے دار بن کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زندگی کو رائیگاں کر رہے ہیں۔ اُسے اپنی بیوی نیناں پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ جس نے اسے گھر میں ٹیلی فون لگوانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ وہ تو اپنی حیثیت بخوبی جانتا تھا کہ محکمہ ماحولیاتی تحفظ کا ایک نچلے درجے کا ملازم بھلا کیا ٹیلی فون لگوائے جو اپنی قلیل تنخواہ سے بمشکل اپنے بیوی بچّوں کی کفالت کرتا ہے۔ دیر تک سوچتے سوچتے نہ جانے اس کی آنکھ کب لگ گئی اور وہ سو گیا۔

پورے محلے میں راجندر یادو ہی نے گھر میں ٹیلی فون لگوایا تھا محض بیوی کے کہنے پر کیوں کہ اس کی بیوی اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کے لئے بہت اُداس رہتی تھی۔ اور اب جب سے گھر میں ٹیلی فون لگا تھا تو وہ بہت خوش تھی۔ ہفتے میں گھر بیٹھے بٹھائے اپنے ماں باپ سے ملاقات کر لیتی۔ ٹیلی فون لگے ابھی صرف بیس دن ہوئے تھے لیکن راجندر یادو کے دوست احباب اور اس کے پاس پڑوس والے ہر روز کوئی نہ کوئی اس کے گھر پر آ کر ٹیلی فون کرتا۔ ایک روز اس کی بڑی بھابی اپنی سہیلی کے ہمراہ راجندر کے گھر میں آئی۔ وہ ذرا اونچا سنتی تھی تو پورے آدھے گھنٹے تک اپنی بہن سے فون پر اس طرح کی باتیں کرتی رہی۔

''ہیلو! نیلو! اری کیسی ہو؟ مجھے بھول گئی ہو کیا.....؟ آپ کے بیٹے پنکج، مدن اور کمل کیسے ہیں.....اچھے ہیں نا.....اور چھوٹی کیسی ہے.....؟ ارے پنکج کے رشتے کی بات کہیں چلائی.....؟ کوئی پڑھی لکھی لڑکی دیکھ لینا.....آج کیا ترکاری بنائی ہے گھر میں.....؟ اچھا راجماش کم کھایا کرو۔ یہ موٹے آدمی کو کم ہی ہضم ہوتے ہیں.....اور سناؤ.....اچھا یہ بتاؤ تمہارے سر کے بال اب بھی وہی گز بھر لمبے ہیں یا بیوٹی پارلر میں جا کر مشروم کٹ کروا چکی ہو.....؟ شیمپو کون سا استعمال کرتی ہو۔ کینٹین سے منگوایا کرو سستا پڑے گا۔ اچھا تو میرا سوٹ خریدا ہے.....اور سُنار سے میرے لئے وہ کان پھول بنوا لئے ہیں.....جب میرے پاس لے کر آؤ گی تو دیکھ لوں گی جب میں سوٹ پہنوں گی تو کیسا لگے گا.....؟ تم میرے پاس کب آ رہی ہو.....جس دن تم آؤ گی تو مجھے پہلے فون کر لینا.....مگر میری چیزیں بھول نہ جانا.....ضرور ساتھ لانا.....اچھا گھر میں سب کو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میرا نمستے کہہ دینا.....جیجا جی کو بھی ساتھ لانا.....اچھا بھگوان تم سب کو سکھی رکھے۔''

راجندر یادو اپنی بھابی کی اتنی طویل گفتگو سن کر اندر ہی اندر کُڑھتا رہا۔ پہلے تو اسے یہ خیال تھا کہ وہ مختصر سی باتیں کرنے کے بعد ریسیور چھوڑ دے گی لیکن جب وہ مسلسل باتیں کرتی رہی تو راجندر کے چہرے پر خفگی کے آثار رونما ہونے لگے۔ اُس نے رسوئی میں جا کر بیوی سے کہا۔

''نیناں! اری یہ آفت کہاں سے آن ٹپکی؟''

بیوی نے کہا ''فون چھپانا پڑے گا۔''

''ایسا ناممکن ہے کیونکہ رشتے داری میں انسان بہت جلد بے عزت ہو جاتا ہے قصور سارا تمہارا ہے کیوں کہ اگر تم فون نہ لگواتی تو مجھے اس وقت ذہنی کوفت نہ اٹھانی پڑتی۔'' بیوی لاجواب ہوگئی اور راجندر باہر فون والے کمرے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بھابھی ابھی تک فون پر اپنی بہن سے مزے مزے کی باتیں کر رہی تھی راجندر یہ دیکھ کر انتہائی رنجیدہ ہو رہا تھا اور اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے تھے۔ جب سے راجندر کے گھر میں ٹیلی فون لگا تھا تب سے اس کے دن کا چین اور رات کا سکون چھن گیا تھا۔ کبھی کبھی آدھی رات کو اس کے فون کی گھنٹی بج اٹھتی تو اسے اپنی میٹھی نیند فون کے لئے ترک کرنا پڑتی اور دن کو اس کے دوست احباب اور آس پاس پڑوس والے اُس کے پتا کی خیریت معلوم کرنے کے بہانے آدھے آدھے گھنٹے تک اپنے رشتے داروں کو ٹیلی فون کرتے۔ راجندر اندر ہی اندر کُڑھتا، جھنجلاتا اور دُکھی ہوتا لیکن زبان سے کچھ نہ کہتا کیوں کہ اسے اس بات کا شدید احساس تھا کہ وہ نہ تو اپنے دوستوں سے فون چھپا سکتا ہے اور نہ رشتے داروں سے اور نہ ہی کسی سے ٹیلی فون کے روپے لے سکتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی ساری عزت خاک میں مل جائے گی اور اگر فون کو لاک کر دے گا تو سب دوستوں، رشتے داروں اور پڑوسیوں کی نظر میں کمینہ کہلایا جائے گا اس لئے وہ مسلسل ذہنی کوفت میں مبتلا تھا۔

دو ماہ کے بعد ایک دن ڈاکیہ راجندر یادو کے گھر میں آ کر ٹیلی فون بل چھوڑ کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چلا گیا اس نے جب چودہ سو ستر روپے کا ٹیلی فون بل پڑھا جو اسے دس دن کے اندر اندر جمع کروانا تھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اس کی کمر توڑ دی ہو۔ اُس نے پھر اپنے وجود کو سمیٹا اور فوراً ٹیلی فون آفیسر کے نام ایک درخواست لکھی جس میں ٹیلی فون نمبر کٹوانے کا ذکر تھا۔ دوسرے دن جب اُسے تنخواہ ملی تو اس نے سب سے پہلے ٹیلی فون بل کی رقم الگ کر دی اور بیوی کو آواز دی۔

''نیناں! بات سننا۔''

''آ رہی ہوں'' بیوی نے جواب دیا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' بیوی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ دیکھو ٹیلی فون بل، تمہاری ضد کا نتیجہ۔ میں یہ چودہ سو ستر روپے ڈاک خانے میں جمع کروانے جا رہا ہوں اور ساتھ ہی ٹیلی فون نمبر کٹوانے کے لئے بھی آفیسر کو درخواست دینے جا رہا ہوں، لیکن مجھے ٹیلی فون نمبر کٹواتے اور اس کا بل ادا کرتے ہوئے سخت کوفت ہو رہی ہے۔''

راجندر یادو یہ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا اور اس کی بیوی اسے پیچھے سے روہانسی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''بھگوان کے لئے بل ادا کر دیجئے لیکن ٹیلی فون نہ کٹوایئے گا۔ بغیر ٹیلی فون کے میں گھر میں اُداس رہوں گی۔''

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دَرد بھری راتیں

جاڑے کا موسم تھا، رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ بچّوں کے وارڈ نمبر چھ اور بیڈ نمبر تین پر حسن دین اور اس کی بیوی ظہیرہ بیگم اپنی سات ماہ کی بچی کے پاس مایوس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے افسردگی اور ذہنی تذبذب کے نقوش نمایاں تھے کیونکہ ان کی بچی بیمار تھی جس کے لاغر ونحیف جسم میں ٹخنے کے قریب گلوکوز کی سرنج لگی ہوئی تھی اور پائپ میں گلوکوز ایک ایک بوند بڑی آہستگی کے ساتھ ٹپک رہا تھا۔ بچی کا پیر حسن دین نے مضبوطی سے پکڑے رکھا تھا کیونکہ اگر پیر میں تھوڑی سی بھی جنبش ہو جاتی تو بچی کے جسم میں گلوکوز داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ظہیرہ بیگم بھی بچّی کے پاس ہی بیٹھی لمبی لمبی آہیں بھر رہی تھی۔ وارڈ نمبر چھ میں کل پانچ بیڈ لگے تھے۔ ڈاکٹر اور نرسیس رحم ومروت سے عاری ان بیمار بچوں کو انجکشن اور دوائی دے کر اپنی اپنی آرام گاہوں میں چلی گئی تھیں۔

بیڈ نمبر چار پہ دو سال کا مریل سا بچّہ اپنی ناقابل برداشت تکلیف کے باعث چیخ چیخ کے رو رہا تھا اور اس کی ماں اسے بار بار چھاتی سے لگا کے تھپکیاں دیتی، ماں اور اس بچّے کے کپڑے میلے کچیلے تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مفلسی نے انہیں خاصی مار دی ہے۔ وارڈ نمبر چھ میں تمام بیڈوں سے انسانی مخلوق کی تکلیف کا اظہار کراہنے، سسکنے اور چیخنے کی صورت میں ہو رہا تھا۔ اس تمام مایوس کن صورتحال کو دیکھ کر ہر شخص

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دل ہی دل میں اس بات پر لبیک کہہ رہا تھا کہ ''تندرستی ہزار نعمت ہے۔''

حسن دین اور ظہیرہ بیگم پہلی بار اپنی بچی کے سلسلے میں اسپتال میں آئے تھے۔ دونوں پڑھے لکھے تھے۔ حسن دین خود محکمۂ خوراک رسانی میں اسٹور کیپر تھا۔ شادی ہوئے پانچ برس ہو چکے تھے۔ ان پانچ برسوں میں ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ حسن دین کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اسے بار بار نیند کے جھٹکے لگ رہے تھے۔ آخر کار اس نے بیوی کو کہا۔

''ظہیرہ! گلوکوز بوتل سے آہستہ آہستہ ایک ایک بوند پائپ میں ٹپک رہا ہے کیوں نہ اس کی رفتار تیز کر دیں تا کہ بوتل سے گلوگوز اس بچی کے جسم میں فوری طور پر داخل ہو جائے اور ہم دونوں بھی تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ اری میں کچھ دن تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہوں لیکن نیند کے بغیر میں پاگل ہونے لگتا ہوں۔''

بیوی نے جواب دیا۔

''کیا خود ہی ڈاکٹر بن بیٹھو گے؟ ایسا ہرگز نہ کرنا، اگر آپ کو نیند آ رہی ہے تو دیجئے میں اس بچی کا پیر پکڑے رکھتی ہوں۔ تعجب ہے؟ آپ کو نیند آ رہی ہے جب کہ بچّی کی پریشانی میں میری نیند اُڑ چکی ہے۔ آپ مرد بڑے بے درد ہوتے ہو۔''

حسن دین بیوی کی باتیں سن کر پشیماں سا ہوا اور پھر بولا ''اری کیسی بات کی تم نے؟''

''ہاں ہاں سچ کہتی ہوں، جتنا درد ماں کو اپنے بچّے کا ہوتا ہے اتنا بچّے کے باپ کو نہیں ہوتا۔ ہم بچّوں کی مائیں آدھی آدھی راتوں کو جاگتی ہیں، بچّوں کو دودھ پلاتی ہیں، بچّہ بستر گیلا کر دے تو اٹھا کر اپنی جگہ پہ سلاتی ہیں، اور خود اس کی جگہ پر سو جاتی ہیں لیکن مرد یہ سب کچھ تو نہیں کرتے، وہ آرام کی نیند سوتے ہیں، خراٹے لیتے ہیں عورت نے جنم جنم سے اس دھرتی پہ دکھ سہے ہیں لیکن اُف تک نہیں کی ہے۔''

''مجھے لگتا ہے تم مجھ پہ ناراض ہو رہی ہو۔ بات معمولی تھی لیکن تم نے اسے ایک مسئلہ بنا دیا۔ نیند آنا ایک فطری عمل ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ لو پچھلی دو راتوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی طرح آج کی رات بھی آرام نہیں کروں گا''

''نہیں آپ سو جایئے، میں جاگتی رہوں گی۔ اس بچّی کی تکلیف کا احساس میری رگ رگ میں اُتر گیا ہے۔ میں سو نہیں سکتی میری نیند اڑ چکی ہے۔''

''ظہیرہ! میں بھی اب نہیں سو سکتا، میری نیند کچھ تو تمہاری باتوں نے اور کچھ بیڈ نمبر چار پہ تڑپتے بچّے نے اڑا کر رکھ دی ہے۔ اس شور میں اب کسے نیند آئے گی۔ تم اس بچّے کی ماں سے جا کے پوچھو کہ اس کا شوہر کہاں ہے اور اس کا بچّہ کیوں رو رہا ہے؟''

''آپ کو کیا غرض ہے اس کے شوہر سے، رہنے دیجئے۔''

''اری اپنے دکھ درد کے ساتھ ساتھ دوسروں کے دکھ درد میں بھی شریک ہونا سیکھو، جا کے اس سے پوچھو تمہیں کیا فرق پڑے گا۔''

حسن دین کے اصرار پر ظہیرہ بیگم بیڈ نمبر چار والی عورت کے پاس چلی گئی اور اس سے پوچھنے لگی۔

''بی بی آپ کا گھر والا کہاں ہے؟ یہ بچّہ کیوں اتنا روتا ہے؟''

اس عورت کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، پھر اس نے اپنی میلی اوڑھنی سے آنسو پونچھے اور بولی۔

''بہن! میرا طلاق ہو چکا ہے، میرا شوہر میرے لئے جیتے جی مر گیا ہے اس نے مجھے محض اس لئے طلاق دیا ہے کہ میں اسے شراب اور چرس پینے سے منع کرتی تھی۔ میری تین بیٹیاں ہیں اور یہ ایک بیٹا، اس کے پیٹ میں شروع سے درد رہتا ہے اور چند دنوں سے بخار اور کھانسی بھی ہے، ڈاکٹر کہتا ہے انجکشن اور دوائی سے ٹھیک ہو جائے گا۔''

''بہن! آپ کی بچّی کو کیا تکلیف ہے؟'' اس عورت نے ظہیرہ بیگم سے پوچھا۔ ظہیرہ بیگم نے جواب دیا۔

''میری بچی کو میرا دودھ نصیب نہیں ہوا ہے۔ میں اس کی پیدائش کے ایک ماہ بعد سخت بیمار پڑ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے ڈبے کا دودھ پینا پڑا، جو اسے بالکل ٹھیک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں لگا۔ یہ کافی بیمار ہوگئی، پھر بھی شکر ہے اس خدا کا جس نے اس کی جان بچائی ورنہ ہمیں تو اس کے بچنے کی امید نہیں تھی۔''

اسی اثنا میں ظہیرہ بیگم کی بچّی نیند سے بیدار ہوئی اور وہ فوراً اس کی طرف لپکی۔ بچی کو بھوک لگی تھی اس لئے اس نے رونا شروع کر دیا تو ظہیرہ بیگم نے ڈاکٹر کی تجویز کردہ خوراک تیار کر کے اسے کھلائی۔ بچی کچھ وقت کے بعد پھر سوگئی۔ اس کے بعد حسن دین نے بیوی سے پوچھا۔

''کیا کہہ رہی تھی وہ عورت؟''

ظہیرہ بیگم نے کہا ''مرد کی بے وفائی اور عیاشی کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ بیڈ نمبر چار والی عورت بے چاری طلاق شدہ ہے۔ تین بیٹیوں کی ماں۔ اس کے شوہر نے اسے محض اس بات پر طلاق دیا ہے کہ یہ اسے شراب اور چرس پینے پر ڈانٹتی تھی۔''

''تم نے پوچھا نہیں کہ اس کا بچّہ کیوں رو رہا ہے؟''

''ہاں بچّے کو کھانسی اور بخار کے علاوہ پیٹ میں سخت درد ہے جس کی وجہ سے وہ اس قدر رو رہا ہے۔''

حسن دین نے کہا۔

''ظہیرہ! یہ دنیا دکھوں کا گہوارہ ہے۔ میں جب دوسروں کے دکھ دیکھتا ہوں تو اپنے بھول جاتا ہوں۔ یہ رات مجھ پر ایک بھاری بوجھ ثابت ہو رہی ہے، دکھ درد سے لبریز، ناقابل فراموش رات، تمہارا شریک زندگی بننے کے بعد یہ میری تیسری رات ہے جسے تاعمر نہیں بھول پاؤں گا۔''

ظہیرہ بیگم نے حیرت و تجسّس سے حسن دین سے پوچھا۔

''بھلا وہ کونسی راتیں ہیں جنہیں آپ آج تک نہیں بھول پائے ہیں۔ مجھے بھی سنا دیجئے میں بھی جانوں۔''

''ایک رات تو وہ نہیں بھول پاؤں گا جب میں تمہیں بیاہ کر اپنے گھر لایا تھا نئی نویلی دلہن کے روپ میں تم قدرت کا ایک شاہکار معلوم ہو رہی تھی، حسن و جوانی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کا انمول خزانہ، البیلی خواہشیں اور اُمنگیں لئے ہوئے وہ ادا و ناز کا رنگین زمانہ آج تک نہیں بھول پایا ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب تمہیں اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور اپنے وطن کے لوگوں نے وداع کیا تھا تو تم بہت روئی تھی۔ تمہیں روتا دیکھ کر اور لوگ بھی رو دئے تھے۔ ٹیکسی پر سوار ہونے کے بعد تم میرے گھر پہنچنے تک اس بچّے کی طرح روتی رہی تھی جسے زبردستی اس کی ماں سے الگ کر دیا گیا ہو۔ دوسرے ہی دن میرے دوست، ساتھی، رشتے دار اور اپنے پرائے مجھے شادی کی پر مسرت مبارکباد دینے کے بعد رخصت ہو گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے میرے بوڑھے والدین، میں اور تم، ایک نیا گھر بسانے اور نئی زندگی جینے کے لئے۔ دھیرے دھیرے دن ڈھل گیا تھا اور ایک سہانی رات ہمارا استقبال کر رہی تھی، لیکن حجلۂ عروسی میں داخل ہوتے ہی میں انتہائی حیرت و پریشانی کا شکار ہوا تھا۔ تم نے جونہی مجھے اپنی طرف قدم بڑھاتے ہوئے دیکھا تھا تو تم پر رعشہ طاری ہوا تھا۔ تم زور زور سے رونے لگی تھی۔ پھر تم نے مجھ سے روتے ہوئے کہا تھا:

''مجھے میرے ماں باپ، بھائی بہن، اور اپنا گھر آنگن بہت یاد آ رہے ہیں، خدارا مجھے وہاں پہنچا دیجئے۔''

''میں نے تمہیں تسلی دی تھی۔ تمہارے ساتھ مرنے جینے کی قسمیں کھائی تھیں۔ ہر طرح سے سکھ پہنچانے کا وعدہ کیا تھا لیکن تم مسلسل روتی رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد تمہیں بخار ہو گیا تھا۔ میں نے ساری رات تمہاری تیمارداری میں بتا دی تھی مجھے اس رات نہ تو نیند نصیب ہوئی تھی اور نہ ہی تم! سن رہی ہو میرے دکھ درد کا قصہ؟ کچھ ہاں ناں تو کہو۔''

''ہاں سن رہی ہوں''۔

دوسری رات وہ بھی نہیں بھول پاؤں گا جب تم نے میرے بیٹے نوید کو جنم دیا تھا۔ رات کے نو بجے کے قریب تمہارے شکم میں درد کی ترنگ اٹھنا شروع ہوئی تھی۔ تخلیقی کرب نے تمہارے وجود کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ میری ماں اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خوف ومسرت کے جذبات لئے تمہارے پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں اور میں نے خود بھی نیند کی مرمریں چادر کو دُور پھینک دیا تھا۔ تمہاری درد بھری چیخیں سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میں نے فوراً اسپتال کی طرف رجوع کیا تھا۔ اور وہاں سے اسٹاف نرس کو گھر پر لایا تھا۔ اس نے آتے ہی تمہیں انجکشن اور دوائی دی تھی، جس سے تمہارے دردِ زہ میں تھوڑا سا افاقہ ہوا تھا لیکن اس کے بعد تم نے پھر چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا۔ میں ساری رات ایک مجذوب کی طرح گھر کے اندر باہر چلتا رہا تھا۔ میری بے قراری کو تب قرار آیا تھا جب اسٹاف نرس نے مجھے صبح صادق کے وقت یہ خوشخبری سنائی تھی کہ میں ایک بیٹے کا باپ بن چکا ہوں۔ آج کی رات بھی نہیں بھول پاؤں گا۔ یہ بھی مجھ پہ کافی گراں گزر رہی ہے۔ یوں بھی کافی رقیق القلب واقع ہوا ہوں۔ اس وارڈ نمبر چھ میں چاروں طرف درد وکرب کی صدائیں سن کر میرا دل انتہائی گھٹن، اضطراب اور مایوسی محسوس کر رہا ہے۔ انسان کی زندگی کی باگ ڈور تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ڈاکٹر اور حکیم انسانوں کو کہاں زندگی بخش سکتے ہیں۔ انسانوں کو موت کے چنگل سے بچانے کی کتنی ہی کوششیں ہو رہی ہیں لیکن ساری بے سود ہیں۔ پیدائش اور موت کا آپس میں گہرا رشتہ ہے ظہیرہ!''

''میں آپ کو ایک رائے دینا چاہتی ہوں۔''

''بھلا کیا؟'' حسن دین نے پوچھا۔

ظہیرہ بیگم نے کہا ''آپ ماضی کو بھول جایئے اور مستقبل کی فکر کیجئے۔''

''ظہیرہ! ماضی کو بھولنا آسان نہیں ہوتا اور پھر تلخ یادیں تو بار بار ذہن ودل پہ دستک دیتی ہیں، یہ بھی یاد رکھو کہ مستقبل میں قدم رکھنے سے پہلے ماضی کی طرف مراجعت کرنا ضروری ہوتا ہے۔''

ظہیرہ بیگم، حسن دین کی فلسفیانہ باتیں سن کر خاموش ہوگئی اور بیڈ نمبر چار پہ تڑپتے بچّے کے رونے کی آواز مدھم پڑ گئی۔ بچّے کی ماں نے اسے تھپکیاں دیتے ہوئے آہستہ آہستہ بیڈ پر دکھ دیا۔ بچّے کی ماں کی آنکھیں بغیر نیند کے سرخ ہوگئی تھیں۔ آرام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اس کے لئے حرام ہوگیا تھا بچّے کے درد نے اس سے دن کا چین اور رات کی نیند چُرا لی تھی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد بچّہ بالکل خاموش ہوگیا۔ صبح ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ حسن دین اور ظہیرہ بیگم کی بچی نیند سے بیدار ہوگئی تو وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے، گلوکوز بوتل سے نکل کر بچی کے جسم میں داخل ہو چکا تھا۔ حسن دین نے جونہی اپنی بچی کے ٹخنے کے قریب لگی سرنج کو نکالنا شروع کیا تب تک بیڈ نمبر چار پہ بیٹھی عورت زور سے چیخ پڑی۔ اس کی ایک ہی چیخ پر وارڈ نمبر چھ میں موجود تمام بچّوں کے والدین اس کی طرف لپک پڑے۔ عورت اپنے بچّے کو بار بار جھنجھوڑ رہی تھی اور چیخ چیخ کر اپنی چھاتی پیٹ رہی تھی لیکن اس کے بچّے کی روح ہمیشہ کے لئے فرشتوں کے ماحول میں پرواز کر چکی تھی۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مجبوری

چیلا رام شرما کی موت ۳۸ برس کی عمر میں ایک بس حادثے میں ہوئی تھی۔ موت نے اسے بڑی بے دردی سے اپنی جوان بیوی، ایک بیٹی چندرا اور ایک بیٹے سندرم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تھا۔ چیلا رام کی بیوی مندری اپنے جیون ساتھی کی بے وقت موت کے غم میں ادھ موئی سی ہوگئی تھی۔ چندرا کی عمر تب آٹھ برس کی رہی ہوگی۔ اور سندرم دو سال کا۔ عین جوانی کی عمر میں کسی عورت کا رانڈ ہو جانا اس کے لئے اذیت ناک تو ہوتا ہی ہے لیکن رانڈاپے کے دن بتانا بھی کچھ کم شرمناک نہیں ہوتے، کیونکہ سورج کی کرنوں میں جو تمازت دوپہر کو ہوتی ہے وہ غروب ہونے کے وقت نہیں ہوتی۔ مُندری کی جوانی بھی دوپہر کے سورج کی مانند تھی۔ چیلا رام کی موت کے دو ہی ماہ بعد آوارہ اور اوباش قسم کے مردوں نے مندری کے گھر کے آس پاس سیٹیاں بجانا اور فلمی گیت گنگنانا شروع کر دیا تھا۔ مندری جونہی ان لوگوں کو دیکھتی تو وہ خوف اور شرم کے مارے گھر کی کھڑکیاں اور کواڑ بند کر کے اپنے بچّوں کو پیار سے اپنے پاس بلا لیتی، اسے انہیں دیکھ کر بے حد خوشی اور حوصلہ ملتا اسے یوں محسوس ہونے لگتا کہ چیلا رام مرا نہیں زندہ ہے ابھی گھر میں آ کے اسے پیار سے پکارے گا۔ بچّوں کے ساتھ گھل مل جائے گا، اس کے کام میں ہاتھ بٹائے گا۔ مندری دیر تک انہی لطیف خیالات کا تانا بانا بُنتی رہتی کہ معاً اس کے ذہن و دل پہ یہ بات بجلی کے کوندے کی طرح

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کوند جاتی کہ چیلا رام پرلوک سدھار گیا ہے جو ہرگز اس کے پاس واپس نہیں آئے گا۔اس غم ناک حقیقت کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔وہ دیر تک روتی رہتی۔ماضی کی تلخ یادیں اس کے ذہن میں ایک فلم سیٹ کی طرح گھومنے لگتیں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جانے والے تو نہیں آتے، جانے والوں کی یاد آتی ہے۔

دن، مہینے سال گزرتے گئے، مندری اپنے بچّوں کی پرورش عبادت سمجھ کر کرتی رہی لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔غربت تو چیلا رام کے وقت بھی تھی لیکن اب اس کے مہیب سائے اور زیادہ گہرے ہوگئے تھے صرف سویرے اور شام کو چُولہا جلتا تھا۔پورے گاؤں میں یہ ایک ہی برہمن گھرانہ تھا جہاں ایک بیوہ اپنے دو بچّوں کے ساتھ زندگی کے دکھ جھیل رہی تھی اور پورا گاؤں اس کے رنڈاپے اور غربت کا مذاق اُڑا رہا تھا۔کئی سر پھرے مندری کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے تھے لیکن وہ انتہائی پاکیزہ اور نیک خیالات کی عورت تھی جس کی وجہ سے کئی لوگ اس پر جلتے تھے اور کئی اس کے حسن وشباب کو دیکھ کر صرف آہیں بھر کے رہ جاتے۔

مندری کی بیٹی چندرا اپنی ماں سے زیادہ خوبصورت اور ہوشیار تھی۔چودہ برس کی ہوچکی تھی لیکن قدبُت سے اٹھارہ کی معلوم ہوتی تھی، اس کی لمبی گھنیری زلفیں، جھیل سی آنکھیں، صراحی دار گردن، ستواں ناک، گلاب کی پنکھڑیوں ایسے ہونٹ، موتیوں کی طرح چمکیلے دانت اور گلنار کی طرح دمکتے رخساروں کو دیکھ کر یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ چندرا میں غربت کے تھپیڑے سہنے کے باوجود اتنا زیادہ حسن کیوں کر نکھر آیا ہے۔ اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ حسن اور غربت کی کشمکش میں حسن جیت گیا ہے اور غربت ہار گئی ہے۔لیکن اس حسن کے خزانے پر ماسٹر سوہن لعل ایک شہ مار بن کر اس وقت آبیٹھا جب اس کی ڈیوٹی مندری کے گاؤں میں لگی۔اس کی بیوی للتا بھی ایک پرائمری اسکول میں استانی تھی۔شادی ہوئے گیارہ برس ہوگئے تھے۔لیکن ان گیارہ برسوں میں ان کے ہاں کوئی بھی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی اس لئے دونوں اولاد نہ ہونے کے غم میں مبتلا تھے۔للتا اکثر بیمار رہتی تھی۔مزاج کی کافی چڑچڑی تھی۔اس کے کل تین

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھائی تھے۔ دو کی شادی ہو چکی تھی لیکن سب سے بڑا بھائی پھول چند اپنی بری عادتوں کی وجہ سے ابھی تک کنوارہ تھا۔ اس کی جوانی ڈھل چکی تھی عمر باون برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ منہ میں ڈاڑھیں میٹھی چیزیں کھا کھا کر گل سڑ گئی تھیں۔ گال پچکے ہوئے تھے اور پشت میں جھکاؤ آ گیا تھا۔ بڑھاپے کے مکمل آثار پھول چند میں در آئے تھے لیکن شادی کے ارمان ابھی تک اس کے دل و دماغ میں موجزن تھے۔ دور دور تک پھول چند کی بہن للتا اور اس کے بھائیوں نے اس کے رشتے کی بات چلائی تھی لیکن ہر جگہ لڑکی والوں نے پھول چند کو دیکھتے ہی انہیں ڈانٹ پھٹکار کر انکار کیا تھا۔

ماسٹر سوہن لعل نے سسرال والوں کے سائے میں رہتے ہوئے پکا مکان بنوایا تھا۔ گھر میں ضرورت سے بھی زیادہ ہر چیز موجود تھی لیکن بچّوں کے بغیر پورا مکان اندر باہر سے ایک دیو، ہیکل کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ ماسٹر سوہن لعل اور اس کی بیوی دونوں پھول چند کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے وہ پھول چند کا بیاہ کروانا اپنا ایک اہم فریضہ سمجھتے تھے۔

ماسٹر سوہن لعل کو مندری کے گاؤں میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر کام کرتے تین ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ بیت چکا تھا کہ ایک دن مندری اپنے بیٹے سندرم کو اسکول میں داخل کروانے کے لئے لے آئی اور سیدھی ماسٹر موہن لعل کے پاس جا کر بولی۔

''ماسٹر جی نمستے۔''

''نمستے'' ماسٹر سوہن لعل نے نمستے کا جواب نمستے سے دیا اور پھر پوچھا۔

''کہئے کیا بات ہے؟''

''ماسٹر جی! میں اپنے بیٹے کو پہلی جماعت میں داخل کروانے آئی ہوں۔''

''بیٹھئے۔''

مندری اپنے بیٹے سندرم کے ساتھ نیچے ایک طرف بیٹھ گئی تو ماسٹر سوہن لعل نے اسے کہا۔

''آپ نیچے کیوں بیٹھ گئیں۔ کرسی پر بیٹھ جایئے۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مندری نے جواب دیا۔

''نہیں ماسٹر جی! میں نیچے ٹھیک ہوں، کرسی پر تو بڑے لوگ بیٹھتے ہیں۔''

''نہیں نہیں آپ کرسی پر بیٹھ جایئے آپ کا نیچے بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

ماسٹر سوہن لعل کے اصرار پر مندری شرماتی لجاتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی پھر ماسٹر سوہن لعل نے سندرم کو داخل کرتے ہوئے مندری سے سندرم کے باپ کا نام پوچھا۔ مندری پہلے تو خاموش رہی اور پھر اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''سندرم کے باپو سورگ باس ہو چکے ہیں ان کا نام سندرم ہی سے پوچھ لیجئے!''

ماسٹر موہن لعل خود بھی افسردہ ہوگیا پھر اس نے مندری کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا

''کوئی فکر نہ کیجئے جب تک میں یہاں ہوں ہر طرح سے آپ کی مدد کرتا رہوں گا۔ جیون میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔''

ماسٹر سوہن لعل نے سندرم سے پوچھا:

''بیٹے آپ کے پاپا کا کیا نام تھا؟''

''چیلا رام شرما'' سندرم نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ماسٹر سوہن لعل نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''بیٹے تم خوب پڑھ لکھ کر اپنے پاپا کا نام روشن کرنا شاباش یہ لو۔''

ماسٹر سوہن لعل نے سندرم کی ایک سو روپیہ فیس اپنی طرف سے ادا کرنے کے علاوہ پچاس روپے سندرم کی جیب میں ٹھونس دیئے۔ مندری اپنے ریشمی رومال میں بندھے روپے ماسٹر سوہن لعل کو پکڑاتے ہوئے کہنے لگی۔

''ماسٹر جی! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ لیجئے فیس کے پیسے۔''

ماسٹر سوہن لعل نے اپنے آفس سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''مجھے شرمندہ نہ کیجئے ایک بیوہ کی مدد کرنا میرا بھی فرض بنتا ہے۔''

مندری نے اپنے بیٹے سندرم کو داخل کروانے کے بعد یوں محسوس کیا کہ جیسے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ماسٹر سوہن لعل نے اس کے بیٹے کی فیس اور مزید پچاس روپے دے کر اسے ایک گہرے کنوئیں میں دھکیل دیا ہے لیکن دوسری طرف اسے ماسٹر سوہن لعل کا حسن سلوک دیکھ کر یوں محسوس ہوا کہ وہ ایک دیوتا آدمی ہے جو غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنا اپنا ایک اہم فریضہ سمجھتا ہے۔ مندری نے اپنے گھر جاتے ہوئے ماسٹر سوہن لعل کو کہا۔

''ماسٹر جی! کسی دن میرے گھر پر ضرور آیئے تاکہ میں بھی آپ کی کچھ سیوا کر سکوں۔''

ماسٹر سوہن لعل نے کہا۔

''اگر ہو سکا تو اتوار کو ضرور آؤں گا۔''

''ہاں ضرور آیئے میں دیکھتی رہوں گی۔''

اتوار کا دن آیا تو ماسٹر سوہن لعل صبح سویرے اپنے ڈیرے سے نکل کر کچھ وقت ادھر اُدھر گھومنے پھرنے کے بعد مندری کے گھر جا پہنچا۔ مندری اور اس کی بیٹی چندرا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے نمستے کیا انہوں نے گھر میں ہر چیز کی صفائی کر دی تھی۔ چار پائی پر نیا کمبل بچھا دیا تھا۔ برتن اور بستر اچھی طرح دھو لئے تھے۔

ماسٹر سوہن لعل چار پائی پر بیٹھ گیا اور دیر تک اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے کے بعد اس نے مندری سے پوچھا۔

''سندرم کہاں ہے؟''

''ماسٹر جی! وہ اپنی نانی کے گھر گیا ہے۔'' مندری نے جواب دیا۔

''آپ کا بیٹا بڑا ہوشیار معلوم ہوتا ہے اسے خوب پڑھوایئے تاکہ بڑا ہو کر آپ کی اچھی طرح سیوا کر سکے۔''

''ماسٹر جی! میں دکھیاری کیا پڑھاؤں گی۔ اس کے اپنے بھاگ ہیں۔ میں نے اسے آپ ہی کے سپرد کیا ہے، اس کا ہر طرح سے خیال رکھئے۔''

ماسٹر سوہن لعل نے مندری کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کوئی بھی فکر نہ کریں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اسی دوران چندرا نے دودھ کا گلاس اور بسکٹ لا کر ماسٹر سوہن لعل کے سامنے رکھ دیئے۔ شرمیلے پن کی وجہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے اس کا چہرہ اور زیادہ خوب صورت لگ رہا تھا۔ ماسٹر سوہن لعل نے چندرا کو سرتا پا دیکھا تو اسے یقین نہیں آنے لگا کہ چندرا اسی گھر میں رہتی ہے۔ اس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا تکلیف کی آپ نے؟''

مندری نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''ماسٹر جی! ہم غریبوں کے ہاں تو کھانے کے لئے یہی روکا سوکھا ہوتا ہے، مالک نے آپ کو دھنوان بنایا ہے۔ ہمارے نصیب آپ جیسے کہاں!''

دودھ اور بسکٹ کھانے کے بعد ماسٹر سوہن لعل نے مندری سے پوچھا ''آپ کی یہ بیٹی پڑھی لکھی ہے؟''

''جی نہیں، اَن پڑھ ہے، بے چاری غربت اور یتیمی کی ماری نہیں پڑھ سکی..... ماسٹر جی اگر ہو سکے تو چندرا کے لئے مجھے کوئی اچھا رشتہ بتا دیجئے۔ میں کافی مجبور ہوں، ہمارے گاؤں کا ماحول اچھا نہیں ہے۔ بیٹی دن بدن جوان ہو رہی ہے۔ میں اس کی بہت جلد شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

ماسٹر سوہن لعل نے جب مندری کی باتیں سنیں تو دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا چندرا جیسی انتہائی خوبصورت لڑکی کو بآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مندری کی غریبی اور بے چارگی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کہہ دیا۔

''یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کی بیٹی براہمن زادی ہے اور جب کہ ہم بھی براہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، میں خود شادی شدہ ہوں لیکن میرا ایک سالہ غیر شادی شدہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس کی شادی چندرا سے کروا سکتا ہوں۔''

مندری خوش ہو کر بولی۔

''ماسٹر جی بھگوان آپ کو سدا سکھی رکھے۔ مجھے اور کیا چاہئے بس یہ سب کچھ آپ ہی کے ذمے ہے۔ میرے سر سے چندرا کا بوجھ اُتار دیجئے۔ ہاں ماسٹر جی جہیز وغیرہ تو میں دے نہیں سکتی۔ مصیبت اور غربت کی ماری کیا دے سکتی ہوں۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ماسٹر سوہن لعل نے کہا۔

''آپ بے غم رہیں دو ماہ کے بعد ہم آپ کی بیٹی چندرا کی شادی کرادیں گے۔ میرے سالے کا پکا مکان ہے گھر میں کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہے۔ چندرا عیش و آرام کی زندگی گزارے گی۔''

چندرا اندر کمرے میں چھپ کر اپنی شادی کے بارے میں ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ خوشی و خوف کے ملے جلے جذبات اس کے پورے وجود پر رقصاں تھے۔ کچھ وقت کے بعد ماسٹر سوہن لعل اپنے ڈیرے پر چلا آیا۔ مندری بے انتہا خوشی محسوس کر رہی تھی اس نے چندرا سے کہا۔

''بیٹی! تو بڑی بھاگیہ شالی ہے۔ دو ماہ کے بعد تو راج کرے گی۔''

چندرا نے ماں سے پوچھا۔

''ماں! اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ آپ میرا بیاہ کیوں کروا رہی ہیں ابھی تو میں چھوٹی ہوں۔''

''نہیں بیٹی تیرا بیاہ ہو جائے تو میری چنتا بھی دُور ہو جائے گی۔ اس وقت ماسٹر جی کے ذریعے رشتہ آ رہا ہے اس موقعے کو غنیمت جان کر تیار رہو۔ بیٹی اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہے۔''

ماسٹر سوہن لعل نے دوسرے دن گھر جا کر اپنی بیوی کو خوشخبری سنائی۔ ''للتا میں نے تمہارے بھائی پھول چند کے لئے ایک خوبصورت لڑکی کو بیاہ کر لانے کا پروگرام بنایا ہے۔ لڑکی بہت اچھی ہے۔ باپ مر گیا ہے، لڑکی کا ایک ہی چھوٹا بھائی ہے۔ غریب گھرانے کی لڑکی ہے لیکن اب مجھے یہی خدشہ ہے کہ تمہارے بھائی کو دیکھ کر لڑکی اور اس کی ماں انکار نہ کریں۔''

للتا نے منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

''بھلا میرے بھائی میں کس چیز کی کمی ہے۔ عمر اگر پچاس برس کی ہے تو پھر بھی کیا ہوا۔ مرد کے لئے پچاس برس کی عمر کوئی معنی نہیں رکھتی۔ شادی ابھی تک ان کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نصیب میں نہیں تھی تو کیسے کرتے۔ بالوں میں اگر سفیدی زیادہ اُگ آئی ہے تو اس کا بھی علاج ہے۔''

ماسٹر سوہن لعل نے اپنی بیوی کو سُجھاؤ دیتے ہوئے کہا۔

''للتا! میرا خیال ہے پھول چند کی کھوئی ہوئی جوانی کو ان میں واپس لوٹانے کے لئے ہم ان کی خاطر ایک نوکر لا کر رکھیں گے جو صرف دو ماہ تک انہیں ہر روز تیل کی مالش کرے، دودھ میں گری، بادام ڈال کر پلائے۔ اس کے علاوہ سلاجیت، مچھلی، انڈے اور کبوتروں کا گوشت بھی کھلانا پڑے گا تاکہ شادی تک ان کی کھوئی ہوئی جوانی اور طاقت واپس آ جائے۔''

''ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔'' للتا متفق ہوگئی۔

ماسٹر سوہن لعل نے اپنے اسکول کے چپراسی کو دو ماہ کی ڈیوٹی دے کر اپنے سالے پھول چند کی مالش اور طاقتور غذا کھلانے پر مامور کر دیا۔ للتا اپنے بھائی کو پھر سے جوان دیکھنے کی لا حاصل خوشی میں بازار سے انڈے، مچھلی، گوشت، سلاجیت، بادام، گری، چھوارے اور دیسی گھی خرید لائی۔ اب ہر روز پھول چند کی مالش ہونے لگی اور بڑے اہتمام کے ساتھ اسے تمام طاقتور چیزیں کھلائی جانے لگیں۔ ڈیڑھ ماہ گزر جانے کے بعد بھی پھول چند کی جسمانی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ بال سفید کے سفید ہی رہے۔ پشت کے جھکاؤ میں معمولی سا فرق بھی نہیں آیا۔ تیز چلنے سے سانس پھولتی تھی اس میں بھی ذرّہ بھر کمی نہ آئی۔ غرضیکہ ماسٹر سوہن لعل اور للتا کی ساری محنت رائیگاں جا رہی تھی۔

ایک دن مندری نے اپنی بیٹی کی خواہش پر ماسٹر سوہن لعل سے کہا ''ماسٹر جی! میں اور میری بیٹی آپ کے سالے کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ کسی روز ہمیں ان کے درشن کروا دیجئے۔''

''ہاں ٹھیک ہے، اگر آپ انہیں دیکھنا چاہتی ہیں تو میں انہیں آپ کے گھر ضرور لے آؤں گا۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مندری اور اس کی بیٹی چندرا کی فرمائش پوری کرنے کی خاطر ماسٹر سوہن لعل نے ایک اتوار کو صبح صبح پھول چند کو نہلا دھلا کر اپنی نئی پینٹ، بوشرٹ اور لال رنگ کا کوٹ پہنایا۔ بالوں میں خضاب لگوایا اور کالے رنگ کا بالکل نیا بوٹ پہنا کر مندری کے گھر پر لے آیا۔ مندری اور چندرا نے جونہی پھول چند کو دیکھا تو ان کے پاؤں تلے سے جیسے زمین کھسک گئی۔ پھول چند میں انہیں پھول والی کوئی بھی چیز نظر نہیں آ رہی تھی مندری نے تو دل ہی دل میں سوچا کہ یہ بوڑھا کھوسٹ تو چتا پر جانے کے لائق ہو گیا ہے۔ بھلا اسے اس عمر میں بیاہ کرنے کی کیا سوجھی اور چندرا فوراً اندر جا کر بستر پر بے ہوش پڑی رہی۔ مندری نے ماسٹر سوہن لعل اور پھول چند کو چارپائی پر بیٹھا دیا اور مصنوعی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر جی! ہم کو کافی خوشی ہوتی ہے جب آپ ہم غریبوں کے گھر میں آتے ہیں۔'' ماسٹر سوہن لعل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں اب تو اکثر یہاں آنا جانا رہے گا۔''

''اچھا آپ بیٹھئے میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' مندری یہ کہتے ہوئے رسوئی میں چلی گئی اور کچھ وقت کے بعد چائے لے کر آ گئی۔

چائے پینے کے بعد ماسٹر سوہن لعل نے مندری سے کہا ''اب چند دن کے بعد چندرا کا بوجھ آپ کے سر سے اُتر جائے گا۔''

مندری نے ایک وحشت ناک نظر پھول چند پر ڈالی اور اس کے بعد سر جھکا کر ایک ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں!'' اس کی اس ہاں میں مایوسی، ناامیدی، دھوکہ، اور دکھ درد کا گہرا احساس موجود تھا۔ وہ اندر ہی اندر اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھی اور اس گھڑی کو رو رہی تھی جب اس نے ماسٹر سوہن لعل کو اپنے گھر پر آنے کی دعوت دی تھی۔ دیر تک سر جھکائے مندری یہی سوچتی رہی کہ آخر چندرا اس بوڑھے مرد کے ساتھ کیسے جیون بتائے گی؟ اپنے اس اہم سوال کا جواب نہ پا کر اس کی آنکھوں سے دکھ کے بادل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

برسنے لگے تو ماسٹر سوہن لعل نے کہا۔

''لڑکی پرایا دھن ہوتی ہے۔ ایک نہ ایک دن کسی کے حوالے کرنی ہی پڑتی ہے۔ اتنا دل نہ ہاریں، ہمت رکھیں۔ ہم چند دن کے بعد شادی کی تاریخ مقرر کرنے آئیں گے۔ کیا ٹھیک ہے نا؟''

''ٹھیک..... ہے!'' مندری نے مایوس ہو کر جواب دیا۔

''اچھا تو ہم چلتے ہیں۔'' ماسٹر سوہن لعل اور پھول چند اُٹھ کھڑے ہوئے اور مندری سے رخصت لے کر چلے گئے۔ چندرا ابھی تک بستر پہ پڑی رو رہی تھی۔ مندری نے اس کو اوپر اٹھا کر گلے سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں رو رہی ہو بیٹی؟ مت رو۔'' مندری نے چندرا کے آنسو پونچھے تو اس کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔ چندرا روتے ہوئے کہنے لگی۔

''ماں! آپ نے مجھے جیتے جی نرک میں ڈال دیا ہے۔ کیا میں اسی بوڑھے کے لائق تھی؟ اس سے یہ بہتر تھا کہ آپ مجھے روٹی کے ساتھ زہر کھلا دیتیں۔ کیا میرا اور اس بوڑھے کا میل ہے''؟ مندری نے جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! ایسی باتیں نہ کر مجھے دکھ ہوتا ہے۔ بھگوان نے چاہا تو سکھی رہے گی۔ بوڑھا ہے تو کیا ہوا۔ برہمن کبھی بوڑھا نہیں ہوتا یہ پوجنے کے لائق ہوتا ہے۔ اس کی رگ رگ میں شودھتا اور پوترتا ہوتی ہے۔ بھگوان نے تجھے بہت روپ سروپ دیا ہے اگر اسے تو ایک بوڑھے برہمن کو ارپن کرے گی تو تجھے سبھی دکھوں اور غموں سے مکتی پراپت ہوگی۔ تو بھاگیہ شالی ہے بیٹی! کل راج کرے گی۔ میں تیری زبان دے چکی ہوں چپ رہ اپنے پتا کی لاج رکھ لے۔ بھگوان تیرا بھلا کرے گا۔''

چندرا اپنی ماں کے آگے تلملا کے رہ گئی۔ اس کی آنکھیں رو رو کے سوج گئی تھیں پھر ایک دن نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی شادی پھول چند سے کر دی گئی۔ گاؤں کے لوگ حیران رہ گئے تھے۔ کئی لوگ اندر سے جل رہے تھے اور کئی باہر سے ہنس رہے تھے۔ چندرا کو ذات پات کے بندھن ایک طرف کھینچ رہے تھے۔ اور جوانی کی امنگیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دوسری طرف۔

اس رات چندرا کا بدن جوانی کے نشے میں بہت مہک رہا تھا جس رات وہ پیاری سی دلہن کے روپ میں ایک کمرے میں اپنا لباس فاخرہ اُتار کر سو گئی تھی اور اس کا بوڑھا پتی پھول چندا کھڑتی ہوئی سانسوں کے ساتھ اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ چندرا کو اسے دیکھ کر یوں لگا تھا کہ جیسے اس کے نانا بھول کر اس کے پاس آ رہے ہیں۔ وہ ڈر و خوف کے مارے کانپ گئی تھی پھر اُس نے اپنے گورے بدن پر لڑکھڑاتے ہوئے ہاتھوں کی سرسراہٹ محسوس کی تھی۔ ایک بوڑھا وجود اس کے مخملی جسم سے لپٹ گیا تھا لیکن لپٹتے ہی وہ آب نزول اور ذکاوت حس کی بیماری کی وجہ سے ایک طرف کو لڑھک گیا تھا۔ اس وقت چندرا نے یوں محسوس کیا تھا کہ جیسے وہ تپتے ہوئے صحرا میں اکیلی العطش العطش پکار رہی ہو!

آخر کار چندرا کی پیاس اس رات بجھی تھی جس رات ماسٹر سوہن لعل دبے پاؤں اس کے پاس آ گیا تھا لیکن چندرا کو اپنا ہم عمر نہ ملنے کا احساس اندر ہی اندر نوچ رہا تھا کیوں کہ ماسٹر سوہن لعل خود بیالیس برس کا تھا جب کہ چندرا سولہ برس کی تھی۔

شادی کے ڈیڑھ سال بعد چندرا نے ایک بچّے کو جنم دیا۔ بچّے کی شکل وصورت بالکل ماسٹر سوہن لعل پر گئی تھی۔ للتا کو بے انتہا خوشی ہوئی تھی جیسے اس کے بطن سے بچّہ پیدا ہوا ہو۔

تین سال کے بعد چندرا نے ایک خوبصورت بچی کو جنم دیا۔ اس کی شکل وصورت بھی ماسٹر سوہن لعل پر گئی تھی۔ پھول چند تو بچّوں کا برائے نام باپ تھا۔ بچّوں کی ساری ذمہ داریاں ماسٹر سوہن لعل اور للتا نبھا رہے تھے۔ لڑکے کا نام انہوں نے رام رتن رکھا تھا۔ اور لڑکی کا شاردہ منی۔

چندرا کی شادی کو اب چھ سال ہو گئے تھے۔ چھوٹی ہی عمر میں وہ دو بچّوں کی ماں بن گئی تھی۔ اس کی جوانی اپنے پورے جوبن پر تھی۔ اسی دوران کیول کرشن بجلی محکمہ میں لائن مین کی حیثیت سے گاؤں میں تعینات کر دیا گیا۔ وہ بسولی کا رہنے والا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ذات کا چمار تھا لیکن کافی خوبصورت تھا۔ عمر چھبیس سال سے ذرا کم تھی۔ تین بچّوں کا باپ تھا۔ اس نے آتے ہی گاؤں کے ہر فرد سے دوستی بڑھالی اور پورے گاؤں میں یہ مشہور کر دیا کہ وہ برہمن زادہ ہے۔ ایک روز اسے ماسٹر سوہن لعل نے بجلی کی تاریں لگوانے کے لئے اپنے گھر میں بلالیا۔ چندرا اور کیول کرشن کی آنکھوں میں پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھ کے محبت و چاہت کا ارتعاش پیدا ہوا۔ اس کے بعد ان کے پیار کی ملاقاتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ دونوں جوان جسموں کی حرارت اپنے آخری درجے کو پہنچ چکی تھی کہ ایک روز چندرا نے بڑی بے تابی سے اشاروں کنایوں میں کیول کرشن کو کہہ دیا۔

''کیا اگر کوئی شخص گلاب کے پھول کو دُور سے دیکھتا رہے تو اسے گلاب کا پھول اور اس کی خوشبو حاصل ہو سکے گی؟''

کیول کرشن نے جواب دیا۔

''ہرگز نہیں بلکہ صرف ترستا رہ جائے گا۔''

کیول کرشن کا جواب سن کر چندرا کے حسین ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کر گئی اور پھر اس نے ایک پُر کیف انگڑائی لیتے ہوئے کہا ''آج گھر میں میرے بوڑھے پتی کے سوا اور کوئی نہیں ہے وہ رات کو کھانا کھانے کے فوراً بعد سو جاتا ہے اور پھر چاہے اس کے سامنے کوئی ڈھول بھی بجائے تو اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ آپ اگر چاہیں تو.....''

چندرا کی باتیں سن کر کیول کرشن کے چہرے میں نکھار پیدا ہوا۔ شرم و حیا کے سارے بندھن پہلے ہی ٹوٹ چکے تھے اس لئے اس نے چندرا کو کہا۔

''مجھے تم سے بہت پیار ہو گیا ہے۔ میرے خوابوں اور خیالوں میں بس تم ہی تم بسی رہتی ہو۔ میں اب تمہارے پیار کی مار کو مزید برداشت نہیں کر سکتا، مجھے بار بار نہ مارو ایک ہی بار مار دو۔''

چندرا بولی۔

''اگر آپ کو مجھ سے اتنا پیار ہے تو آج کی رات.....''

CC-0..Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیول کرشن نے خوش ہو کر پوچھا۔

''کتنے بجے؟''

چندرا نے کہا ''رات کو دس بجے''۔

دیکھتے دیکھتے دن ڈھل گیا۔ چندرا نے نہا دھو کر سب سے خوب صورت ساڑھی پہن لی اور پورا بناؤ سنگھار کر کے رات کا کھانا بنانے میں لگ گئی۔ پھول چند نے اپنے دوستوں کے ساتھ شراب پی تھی۔ اس نے کھانا کھایا اور سو گیا۔ چندرا نے خود دیر سے کھانا کھایا اور کیول کرشن کے انتظار میں بیٹھی رہی۔ کیول کرشن ساڑھے دس بجے کے قریب آ گیا، چندرا نے اسے آنکھوں اور ہاتھوں کے اشاروں سے ایک کمرے میں بلا لیا۔ اس نے کمرہ بھی بڑے خوبصورت انداز میں سجا رکھا تھا کمرے میں بھینی بھینی خوشبو مہک رہی تھی جیسے آج ہی اس کی سہاگ رات ہو۔ اس نے کیول کرشن کو پہلے کاجو اور بادام کھلائے اور پھر بجلی کا بلب آف کر دیا۔

چندرا نے محسوس کیا کہ اسے آج پہلی بار زندگی میں روحانی و جسمانی تسکین حاصل ہوئی ہے۔ صبح صادق کے وقت جب شیو جی مندر میں مائک پر یہ بھجن گونج اٹھا۔

''سکھ کے سب ساتھی دکھ میں نہ کوئی

میرے رام میرے رام

تیرا نام اک سانجھا دوجا نہ کوئی

میرے رام میرے رام''

تو اس بھجن کی مدھر آواز پر کیول کرشن جاگ اٹھا اور آہستہ سے اپنے ڈیرے پر چلے آیا۔

ماسٹر سوہن لعل، اس کی بیوی اور پھول چند، کیول کرشن کو اپنے گھر کا ایک اہم فرد سمجھتے تھے۔ کیول کرشن چندرا کے بچّوں کے ساتھ کھیلتا۔ انہیں کھلونے اور کھانے کی چیزیں بازار سے خرید کر دیتا۔ وہ کھلے عام چندرا کے گھر آتا جاتا۔ چندرا نے اسے سب کچھ سونپ دیا تھا۔ وہ چوری چوری اسے سب کچھ کھلاتی پلاتی تھی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیول کرشن کو چندرا کے گاؤں میں ڈیوٹی دیتے دو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا کہ ایک روز چندرا شیو جی کے مندر میں پھول چڑھا کر واپس آ رہی تھی تو کیول کرشن نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''چندرا کہاں گئی تھی''؟

''مندر میں پھول چڑھانے اور بھگوان سے پرارتھنا کرنے۔''

''کیا پرارتھنا کر کے آ رہی ہو؟''

چندرا بولی ''یہی کہ آپ کبھی بھی میری نظروں سے اوجھل نہ ہوں۔ یہیں رہیں میرے آس پاس میرے گھر کے سامنے۔''

کیول کرشن نے کہا ''لیکن.....!''

''کیا لیکن؟'' چندرا کے چہرے کی رونق فوراً غائب ہوگئی۔ اس نے مایوس ہو کر پھر پوچھا۔

''میں پوچھ رہی ہوں کیا بات ہے؟ آپ خاموش کیوں ہوئے، کہئے نا کیا بات ہے؟''

''چندرا!..... میں تمہارے گاؤں سے تبدیل کر دیا گیا ہوں، آرڈر میری جیب میں پڑا ہے، ہم ملازموں کے کاغذی گھر ہوتے ہیں، میں کل چلا جا رہا ہوں۔''

''بھگوان کے لئے ایسا نہ کہئے میں آپ کے بنا مر جاؤں گی، میری جوانی پر ترس کھایئے۔ میں آپ کو یہاں سے نہیں جانے دوں گی یا تو مجھے بھی ساتھ لے جایئے!''

''لیکن چندرا میں تو شادی شدہ ہوں۔ میرے تین بیٹے ہیں، میں تمہیں کہاں لے جاؤں گا۔''

''کیا..... آپ تو کہہ رہے تھے میں کنوارہ ہوں''؟ ''مجھے معاف کرو۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔'' ''اس کا مطلب ہے مرد جھوٹے اور دغاباز ہوتے ہیں؟''

''تم خود سوچو میری نوکری کا مسئلہ ہے۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چندرا نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
کیول کرشن بھی اسے دیکھ کر رو پڑا۔ پھر چندرا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ مجھ سے جھوٹ بول رہے ہیں کہ آپ یہاں سے تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ کیا آپ میری محبت کا امتحان لے رہے ہیں؟ میں سچ کہتی ہوں آپ کے بغیر میں ایسے تڑپتی ہوں جیسے پانی کے بغیر مچھلی! بھگوان کے لئے سچ کہئے کیا آپ کو یہاں سے چلے جانے کا آرڈر مل چکا ہے؟''

''چندرا میں تم سے سچ کہتا ہوں، یہ دیکھ لو آرڈر'' کیول کرشن نے جونہی اپنا ٹرانسفر آرڈر چندرا کو دکھایا تو چندرا نے دیکھتے ہی آرڈر کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ کیول کرشن کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا چندرا.....تم نے یہ کیا کر دیا!''

چندرا نے زور سے قہقہہ لگایا لیکن کیول کرشن ہکا بکا رہ گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے چندرا نے بری طرح اپنے تیز اور نوکیلے ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچ لیا ہو!

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جنم بھومی کے آنسو

وہ آج پورے سولہ برس کے بعد ایک برات کے ساتھ اپنے وطن جا رہا تھا، جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور بچپن، لڑکپن اور جوانی کے کچھ ماہ وسال گزار چکا تھا۔ جہاں اُس نے کوئل کی کوک، پپیہے کی چہک، رنگ برنگی چڑیوں کی چہچہاہٹ اور اونچے اونچے درختوں پر پھُدکتے، اُڑتے طوطوں کی ٹری ٹری سنی تھی۔ جہاں اُس نے پہلی بار یہ دیکھا تھا کہ ابابیلیں مکانوں ہی میں اپنے مٹی کے آلڑے بناتی ہیں۔ وہ کھیت کھلیانوں میں کھیلا کودا تھا۔ صبح صادق کے وقت مندر سے ناقوس کی آواز اور مسجد سے اذان سنی تھی۔ دسویں تک تعلیم حاصل کی تھی۔ بھوکے، ننگے پاؤں اسکول گیا تھا۔ گلی کوچوں میں کورے کاغذ چُنے تھے۔ ان کی شیرازہ بندی کر کے کاپیاں تیار کی تھیں، جنگلوں، بیابانوں میں ڈھور ڈنگر اور بھیڑ بکریاں چرائی تھیں مویشیوں کے چارے کے لئے مارو کے اونچے اونچے درختوں پر چڑھ کر اُن کی شاخیں تراشی تھیں۔ اوبڑ کھابڑ راستوں پر چلا تھا، چیڑ، دیودار، شیشم اور چانپ جیسے چھتناور درختوں کی پُر لطف فضاؤں میں جوانی کی پہلی ترنگ محسوس کی تھی۔ جاڑے کے موسم میں پہاڑوں سے برف کے تودے طوفانی صورت میں کھسکتے دیکھے تھے۔ موسموں کے تغیر وتبدل کا شعور حاصل کیا تھا۔ جہاں اس نے پہلی بار اپنے دادا کو گزرتے اور ان کی تجہیز وتکفین کرتے دیکھا تھا اور یہ جانتے ہوئے اس کی روح کی گہرائیوں میں ایک سنسناہٹ سی اُتر گئی تھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ ہر جاندار چیز کو موت کا مزہ چکھنا ہے! جہاں اسے پہلی بار یہ معلوم ہوا تھا کہ ایک بہن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی کیوں اپنے بھائی سے جُدا ہو جاتی ہے۔ اسے کیوں دلہن بنایا جاتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں کیوں مہندی رچائی جاتی ہے۔ جہاں اس کے آباواجداد مدفون تھے۔ جہاں اس نے مفلسی کے دن گزارے تھے اور دادی اماں سے پنچ تنتر کی کہانیاں سنی تھیں۔

سفید رنگ کی کار میں دلہے راجہ کے ساتھ بیٹھے آج اگرچہ وہ سولہ برس کے بعد اپنے وطن جا رہا تھا لیکن اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں اپنی جنم بھومی کی بُو باس بھی بڑھتی اور نکھرتی چلی جا رہی ہے۔ اپنے وطن کی محبت وعظمت کا احساس اور ناخوشگوار حالات کے باعث اُس سے بچھڑنے کا غم اُسے اندر ہی اندر نوچنے لگا۔ اُس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اُس نے فوراً رومال سے آنسو پونچھے۔

ڈرائیور بڑی تیزی سے کار چلا رہا تھا۔ شہروں اور قصبوں سے نکل کر کار اب اس بلند وبالا مقام پر پہنچ چکی تھی جو اپنی فطری خوبصورتی اور دلکشی کے لئے پورے ہندوستان میں مشہور ہونے کے علاوہ دو ضلعوں کا مرکزی مقام بھی تھا۔ گویا یہ وہ خوبصورت مقام تھا جہاں پر دو ضلعوں کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں۔ خالص دیودار کے درختوں کا ایک لامتناہی سلسلہ دور دور تک نظر آ رہا تھا۔ محکمہ سیاحت نے اس مقام کی فطری خوبصورتی کو نکھارنے میں کوئی بھی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ بھانت بھانت کے لوگ سیر وتفریح کی غرض سے یہاں آئے تھے اور اپنی اپنی زندگی کی تلخیوں کو بھول جانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ ہر سال لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد یہ لوگ اس خوبصورت مقام کی خوبصورتی کو کیمرے میں قید کر کے اپنی یادوں کے البم تیار کرتے ہیں اور زندگی کو سدا بہار بنانے کے خواب دیکھتے ہیں مگر ہائے زندگی تو پُر پیچ اور اُتار چڑھاؤ والا وہ راستہ ہے جس کی منزل موت کے سوا کچھ بھی نہیں!

برات میں دُلہے سمیت کُل پچاس آدمی تھے۔ سبھی براتی چمچماتی بس میں سوار

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے خوش وخُرم نظر آرہے تھے۔ کچھ ہی لمحوں بعد ڈرائیور نے کار قومی شاہرہ کو چھوڑ کر ایک غیر ہموار اور چھوٹے چھوٹے سنگ ریزوں سے پُر سڑک پہ چلانا شروع کردی۔ اب وہ اپنے آبائی وطن کے ضلع صدر مقام سے گزر کر فلک بوس پہاڑوں، جنگلوں ندی نالوں سے گزر رہا تھا۔ کچی سڑک ہونے کی وجہ سے ڈرائیور نے کار کی رفتار دھیمی کردی۔ کار کو مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے اور وہ آج سے سولہ برس پیچھے اپنے وطن کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ جب اس کے وطن میں سڑک، بجلی، پانی، اسپتال راشن ڈپو اور ٹیلی فون کی کوئی سہولت نہ تھی کیونکہ سیاسی لیڈر الیکشن کے دوران آتے اور جھوٹے وعدے کر کے چلے جاتے اور عوام آپس میں معمولی معمولی باتوں پر جھگڑتے۔ مقدمہ بازی میں اپنا روپیہ اور وقت صَرف کرتے، اس کے علاوہ چور، لُچے، لفنگے، جھوٹے اوباش، دغا باز اور جادوٹونا کرنے والوں کی کثیر تعداد تھی۔ اُس کا باپ پورے علاقے کا ایک معزز اور دانشور آدمی تھا۔ اس قابل احترام ہستی نے لوگوں کو متحد کرنے اور ہندو مسلم بھائی چارے کو قائم رکھوانے، انسانی اقدار کو اپنانے کے علاوہ پورے علاقے کی ترقی اور خوشحالی کے لئے اپنی زندگی کا قیمتی اثاثہ داؤ پر لگا دیا تھا لیکن اس کے باپ کی وعظ ونصیحت کا اثر کچھ ہی لوگوں نے قبول کیا تھا۔ اس لئے اُس کا باپ اپنے عوام سے سخت نالاں تھا۔ پورے علاقے میں بجلی، سڑک، پانی کا معقول انتظام، راشن ڈپو، اسپتال اور ہائر سکنڈری اسکول نہیں تھا۔ البتہ اُس گاؤں سے ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک ہائی اسکول تھا جس کا تعلیمی معیار انتہائی پست تھا۔ اُن تمام مایوس کن حالات کے علاوہ اس کے باپ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں جنہیں ایک وقت کا کھانا بھی پیٹ بھر میسر نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر اس کے باپ نے مایوس کن سماجی اور اقتصادی حالات کے باعث اپنے وطن کے لوگوں کو ایک بڑے مجمع میں ان الفاظ میں مخاطب کیا تھا۔

میرے وطن کے بھائیو، بہنو، بزرگو اور دوستو! میں تمہارے روز روز کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جھگڑوں، غیبتوں، چغلیوں، جھوٹ، دغا وفریب اور تمہاری چاپلوسی اور مکارانہ چالوں سے تنگ آ کر اپنے پیارے وطن سے ہجرت کر کے اس سامنے والے پہاڑ کی دوسری طرف جا رہا ہوں۔ جہاں میرے لئے سبھی اجنبی ہیں۔ میں اپنی زمین اور مکان فروخت کر چکا ہوں۔ میں تم میں اس لئے نہیں رہنا چاہتا کیوں کہ تم نیکی اور بدی کا کام ایک ساتھ انجام دیتے ہو۔ میں چند دنوں کے بعد تم سب سے بمعۂ اپنے اہل وعیال دور جا رہا ہوں لیکن تمہیں میری نصیحت ہے کہ خدا کی ناراضگی سے بچو۔ کیونکہ اس کی ناراضگی تمہارے لئے ہلاکت کا باعث بنے گی۔ اس سے پہلے کہ تم پر یا تمہاری نسلوں پر کوئی عذاب آئے، اچھائی کا راستہ اختیار کر لو۔''

اُس کے باپ کی پُر جوش تقریر سن کر سارے مجمع میں سناٹے کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ بہت سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہوگئی تھیں۔ اور کچھ لوگ سرگوشیاں کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے تھے۔

پھر ایک ہفتے بعد اُس کا باپ اپنی بیوی بچّوں اور مال واسباب کے ساتھ ایک قافلے کی صورت میں اپنے دوستوں، عزیزوں رشتے داروں، خاندان والوں اور اپنے وطن کی مٹی سے جُدا ہو گیا تھا۔ رشتے دار اور خاندان کے افراد رو رہے تھے اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کسی اہم شخصیت کا جنازہ جا رہا ہو۔

اُس کی عمر تب سولہ برس کی تھی اور دسویں کا امتحان وہ پاس کر چکا تھا۔ پھر اس نے دوسرے ضلع میں سکونت اختیار کرنے کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھی۔ بی کام کرنے کے بعد دس روپے پر مزدوری کی تھی۔ والدین اور بھائیوں کا اصرار تھا کہ وہ پڑھائی ترک کر دے اور کھیتی باڑی کے کاموں میں جُٹ جائے لیکن اُس نے سبھی کام کرنے کے ساتھ ساتھ پڑھائی جاری رکھی تھی اور ایم کام میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے بعد چھ ماہ کے اندر بھارتیہ اسٹیٹ بینک آف انڈیا میں ایک منیجر کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا۔ اب اس کی زندگی میں خوشگوار حالات پیدا ہونے لگے تھے۔

پھر اس کی شادی ایک امیر گھرانے کی تعلیم یافتہ سلیقہ شعار اور خوبصورت لڑکی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے ہوگئی۔ دھیرے دھیرے اس کی زندگی مختلف خانوں میں بٹنا شروع ہوگئی۔ ذمے داریوں کا بوجھ اُس پر آن پڑا تھا۔ اس کے دل نے بارہا چاہا تھا کہ وہ اپنی جنم بھومی میں جا کر بچپن کے ساتھیوں، بزرگوں، دوستوں اور خاندان کے افراد سے ملاقات کر آئے مگر آج کل پر معاملہ ٹلتا رہا۔

اُس کے ذہن و دل پہ یکے بعد دیگرے ماضی کے نقوش اُبھرتے چلے آرہے تھے کہ ڈرائیور نے آہستہ آہستہ اُس مقام پر کار روک دی جہاں اُس نے دسویں تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اب وہ اپنے وطن میں پہنچ چکا تھا۔ لیکن پہنچتے ہی کالے بھجنگ فوجی وردی میں ملبوس نوجوانوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

''نیچے اُترو'' بندوق تانے ایک فوجی نے کہا۔

ڈرائیور، دُولہا، دولہے کا باپ اور وہ خود چاروں سہمے ہوئے کار سے نیچے اُترے۔

''برات ہے سر۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''اچھا برات ہے؟ کہاں سے آئے ہو۔''

''مچیل پور سے'' دولہے کے باپ نے جواب دیا۔ اتنے میں بس پر سوار دوسرے براتی بھی آپہنچے۔ فوجی کمانڈر نے اپنے ماتحت سپاہیوں کو حکم دیا۔

''ان سب کو ایک ہی لائن میں کھڑا کر دو اور ان کے شناختی کارڈ دیکھو۔''

سبھی باراتی ایک قطار میں کھڑے ہوگئے اور ان کے شناختی کارڈ دیکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی تلاشی لی گئی۔ بس اور کار کا ایک ایک پرزہ فوجیوں نے چھان مارا۔ سبھی باراتیوں پر ڈر و خوف کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

دن کے بارہ بج چکے تھے۔ جولائی مہینے کی شدید گرمی کی وجہ سے سبھی باراتیوں کا برا حال ہو رہا تھا۔ بارات اب پیدل چل رہی تھی اور چڑھائی کی طرف قدم تھے۔ پیاس اور پسینے سے سبھی باراتی پریشان ہو رہے تھے۔ راستے میں کہیں کہیں پانی کی ٹنکیاں اور نل لگے ہوئے تھے لیکن پانی نام کی کوئی بھی چیز ان میں موجود نہ تھی۔ دولہے راجہ کا منہ بھی سوکھ رہا تھا۔ ابھی تھوڑی چڑھائی چڑھے تھے کہ سامنے ایک مکان نظر آیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جو رنگ و روغن سے آراستہ تھا اور کافی تعداد میں لوگ وہاں نظر آ رہے تھے۔ دولہے کے باپ نے سب کو تسلسی دیتے ہوئے کہا۔

''بس پہنچ گئے وہ دیکھئے سامنے والا مکان وہیں پہ جانا ہے۔'' اُس نے شہادت کی انگلی سے مکان کی طرف اشارہ کیا۔

چند لمحوں بعد بارات دلہن کے گھر پہنچ گئی۔ ڈیوڑھی پہ دلہن کی دو چھوٹی بہنیں پانی کا گھڑا لئے کھڑی تھیں۔ دولہے راجہ کے انتظار میں، وہ بارات کو گھر کے اندر آنے نہیں دے رہی تھیں جب تک دولہا انہیں پانچ سو ایک روپے نہ دیتا۔ دولہے نے پہلے تو انہیں ایک سو روپیہ دینا چاہا۔ لیکن دُلہن کی بہنیں نہ مانیں پھر اُس نے دو سو روپے دیئے لیکن وہ پھر بھی نہ مانیں۔ آخر کار تین سو روپے دینے کے بعد دولہا بارات کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ بارات کے استقبال میں معزز حضرات شامل تھے۔ سب سے پہلے نکاح خوانی ہوئی اس کے بعد باراتیوں کو کھانا کھلایا گیا۔

اُس نے کھانا کھایا اور کمرے سے باہر آ کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اُس پارا سے اپنی جنم بھومی نظر آئی۔ اس کا دل بھر آیا، بے اختیار اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُسے اپنے بچپن اور لڑکپن کے وہ سہانے دن یاد آنے لگے جب وہ ایک آزاد پنچھی کی طرح ہر جگہ گھوما کرتا تھا۔ اُس کے خاندان کے لوگ باہر کھڑے اُس سے ملاقات کرنے کے لئے بیتاب تھے۔ اب وہ ہر ایک سے گلے مل کر رو رہا تھا۔ اس کی دو سگی بہنیں اُسے دیکھتے ہی زور سے رو پڑیں دوڑ کر آئیں اور اُس کے گلے سے لپٹ گئیں بولیں۔

''بھیّا! آپ ہمیں بھول گئے۔ ہماری آنکھیں آپ کو دیکھنے کے لئے ترستی تھیں۔''

اُس نے بھی روتے روتے کہا ''بہنو! تم سے ملاقات کرنے کو میرا دل بھی ترستا تھا مگر میرے حالات کچھ اس قدر پیچیدہ ہو گئے تھے کہ تمہارے سکھ دُکھ میں شریک نہیں ہو سکا۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بہن بھائی کا پیار دیر تک اشکوں اور سسکیوں میں ڈھلتا رہا۔ وہ اپنے خاندان کے تقریباً سبھی افراد سے باری باری گلے مل کر رو رہا تھا کہ ایک ضعیف العمر شخص لاٹھی ٹیکتا ہوا اس کے قریب آیا اور اپنی میلی عینک آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

''یہ گولو تو نہیں؟'' اور اسے پہنچانتے ہی وہ بوڑھا آدمی اُس سے لپٹ پڑا۔ اپنے شفیق چچا کو دیکھتے ہی اس کی زبان سے بھی بے ساختہ نکل گیا۔

''نادر چچا! کیا حال ہے؟ آپ ٹھیک ہیں نا!'' یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے چچا کو گلے لگاتے ہوئے زور سے بھینچا۔ اب وہ رو رہا تھا اور نادر چچا کی آنکھوں میں بھی آنسو اُتر آئے تھے۔ انہوں نے روتے روتے کہا۔

''گولو! میں نے تجھے بچپن میں گودوں کھلایا ہے۔ آج تو بہت بڑا ہو گیا ہے۔ مجھے تیری پہچان نہیں آ رہی تھی۔ تو ہمیں کیوں بھول گیا؟''

''نہیں چچا نہیں، آپ سبھی مجھے برابر یاد آتے رہے ہیں۔ میں تو آپ کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ جب مجھے آپ کی یاد آتی تھی تو یہ تمنا کرتا تھا کہ کاش! میرے پنکھ ہوتے تو اُڑ کر آپ کے پاس چلا آتا۔ اصل میں چچا شادی کے بعد انسان بیوی بچّوں کے مسائل میں کچھ اس طرح اُلجھ جاتا ہے کہ بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پاتا۔''

''ہاں بیٹے صحیح کہہ رہے ہو، مگر سولہ برس کا عرصہ تو کافی ہوتا ہے۔''

''اور سنایئے چچا کیسے رہے ان سولہ برسوں میں۔''

''کیا بتاؤں بیٹے تم تو یہاں کے حالات دیکھ ہی رہے ہو۔ نو سال سے تمہاری جنم بھومی جیسے آگ میں سُلگ رہی ہے۔ اب تو ہمارے دن کا چین اور رات کی نیند ہم سے چھن گئی ہے۔ بیٹے وہ پہلے جیسے مزے اب کہاں کہ آدھی آدھی رات کو چلتے تھے تو کوئی پوچھتا نہیں تھا لیکن اب تو پورے علاقے پر فوجیوں کا تسلّط ہے۔ ان نو برسوں میں بیٹے تمہاری جنم بھومی پہ کئی بم پھٹے۔ کئی نوجوان مرد عورتیں، بوڑھے اور بچّے گولی کا نشانہ بنائے گئے، کتنی ہی بیویوں کے سہاگ اُجڑ گئے اور کتنے ہی ذبح کئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گئے۔ میرا بیٹا اختیار احمد بھی تو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔'' یہ کہتے ہوئے نادر چچا ایک بار پھر رو پڑے۔ وہ خود بھی رونے لگا اور آس پاس کھڑے اس کے خاندان کے افراد بھی آنسو پونچھ رہے تھے۔ سب کے سینوں کا درد آنکھوں سے عیاں ہو رہا تھا۔ اُس سے رہا نہ گیا تو بولا۔

''چچا حوصلہ کیجئے، جس مرض کا علاج نہ ہو اُسے برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

نادر چچا نے تھوڑے توقف کے بعد پھر کہنا شروع کیا۔

''بیٹے! ہم جن حالات سے جوجھ رہے ہیں وہ بڑے مایوس کن ہیں۔ آدھی آدھی رات کو فوجی ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں۔ گھروں کی تلاشی لیتے ہیں اور انہیں دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچے ڈر و خوف سے چیخنے لگتے ہیں اور مرد و عورتیں ڈر کے مارے فوجیوں سے بات کرتے تھتھلا جاتے ہیں تو فوجی ان کی پٹائی کرتے ہیں، اب تو بیٹے ان حالات میں مجھے بہو بیٹیوں کی عصمت بھی خطرے میں دکھائی دیتی ہے۔ کیا کریں کہاں جائیں۔''

''چچا یہ فوجی کیوں گھروں کی تلاشیاں لیتے ہیں اور بندوقیں تانے کس کی تاک میں رہتے ہیں؟ یہ کسے ڈھونڈنے آتے ہیں؟''

''بیٹا یہ فوجی باہر کے آدمی کو ڈھونڈتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ملک میں آ گیا ہے بغیر پاسپورٹ کے، اور خالی ہاتھ نہیں آیا ہے بلکہ وہ اپنے ساتھ اے کے ۴۷ راکٹ لانچر، ہتھ گولے، ٹائم بم اور بہت سا اسلحہ لے کر آیا ہے اور جب یہ باہر اور اندر کا ہتھیار آپس میں ٹکراتا ہے تو بیٹے تیری جنم بھومی سرخ ہو جاتی ہے۔ تب فوجی ہمارے گھروں میں گھس آتے ہیں بغیر تحقیقات کے مارنا پیٹنا شروع کرتے ہیں اور زد وکوب کرنے کے بعد پوچھتے ہیں۔

''بتاؤ باہر کا آدمی کہاں ہے؟''

''باہر کا آدمی چاہے آئے یا نہ آئے مگر ہمیں تو ہر حال میں فوجیوں کے ہاتھوں پٹنا ہوتا ہے۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''چچا صبر کیجئے۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں، خدائے تعالیٰ کو صبر پسند ہے، ضرور ایک وقت ایسا آئے گا جب باہر کا آدمی اندر نہیں آسکے گا اور اندر کا آدمی اندر والے کو پریشان نہیں کرے گا۔''

''ہاں بیٹے درست کہہ رہے ہو مگر کیا معلوم میری آنکھیں امن وامان دیکھ سکیں گی یا نہیں؟ بیٹے میں نے ۱۹۴۷ء کا دور بھی دیکھا ہے جب بے شمار لوگ مارے گئے تھے اور ہر شخص اپنی جنم بھومی سے اُکھڑ گیا تھا لیکن اس عمر میں میرا اپنی جنم بھومی سے اُکھڑ کر جُدا ہونا مجھے منظور نہیں۔ میں اسی مٹی پہ پیدا ہوا ہوں اور اسی میں دفن ہونا چاہتا ہوں۔''

نادر چچا نے جذباتی انداز میں مٹھی بھر مٹی دھرتی سے اٹھائی اسے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔

دن ڈھل چکا تھا۔ شام اپنی سرمئی چادر پھیلا رہی تھی۔ برات کو دوسرے دن واپس جانا تھا۔ سبھی براتی تھکے تھے۔ کچھ اونگھتے سو گئے تھے۔ رات کے آٹھ بجے کے قریب فوجیوں نے وقفے وقفے کے بعد ہوا میں فائرنگ شروع کر دی۔ یہ سلسلہ ساری رات چلتا رہا۔ کُتوں نے بھونکنا چھوڑ دیا تھا۔ انسانی اور حیوانی مخلوق پر دہشت سوار تھی۔ اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی لرزہ خیز واقعہ رونما ہو کے رہے گا۔

دوسرے دن سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی لڑکی کو وداع کر دیا گیا۔ اُس کے ماں باپ، بھائی بہن اور خاندان کے سب ہی لوگ رو رہے تھے۔ لڑکی اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔ آج وہ بھی اپنی جنم بھومی سے الگ ہو رہی تھی۔ ایک خدائی دستور کے مطابق!

دُلہن کو ڈولی میں نہیں بٹھایا گیا بلکہ بس اڈے تک پیدل لایا گیا کیوں کہ فوجیوں کو ہر چیز کا شک رہتا ہے۔ ان کی مشکوک نگاہیں ہر چیز میں اسلحہ ڈھونڈتی ہیں اس لئے انہیں کسی بھی شخص پر یقین نہیں رہا ہے۔ اُن کی نظر میں شادی اور غمی میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

سارے براتی چہروں پر افسردگی سی لئے بس میں سوار ہو گئے۔ دلہن ہلکی ہلکی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سسکیاں لیتی ہوئی دلہے کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی اور وہ روتے ہوئے مُڑ مُڑ کر اپنی جنم بھومی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سمند تخیل پر اس کا بچپن اور لڑکپن تازیانے لگا رہا تھا۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ واپس دوڑ کر جائے اور اپنی جنم بھومی کے ہر شجر و حجر کو چومے انہیں گلے لگا کر جی بھر کے روئے لیکن اب وہ کار میں بیٹھ چکا تھا۔ ڈرائیور نے کار کی رفتار تیز کر دی تھی پھر اس کی جنم بھومی آہستہ آہستہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہونے لگی تھی۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دلِ ودماغ میں گھومتی کیل

دلدار صاحب محکمہ اطلاعات ونشریات میں ایک اونچے عہدے پر فائز تھے۔ کافی ملنسار، خوش اخلاق اور بلند کردار کے مالک تھے۔ برائی سے نفرت کرتے تھے اور اچھائی پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بڑے بیٹے کا نام کامران اور چھوٹے کا نام مہربان تھا۔ بیٹی سب سے چھوٹی تھی اُس کا نام رابعہ تھا بڑا بیٹا پانچویں میں، چھوٹا تیسری میں اور بیٹی پہلی میں پڑھتی تھی۔ تینوں بچّے ایک مشنری اسکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ بیوی کا نام گل بہار تھا جو کافی سلیقہ شعار، تعلیم یافتہ اور نفاست پسند تھی۔ دلدار صاحب خود ایک پُروقار شخصیت کے حامل تھے۔ اس لئے دونوں میاں بیوی اپنے تین بچّوں کے ساتھ ایک خوشحال زندگی جی رہے تھے۔ میاں بیوی میں کبھی کوئی نوک جھونک کی نوبت نہیں آئی تھی۔

دلدار صاحب دفتر میں چھٹی رکھ کر آج گھر پر اپنے بچّوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی گھل مل گئے تھے۔ وہ ڈبل بیڈ کے وسط پر بیٹھے تھے اور تینوں بچّے ان کے ساتھ ہنسی مذاق کا ماحول گرم کئے ہوئے تھے۔ اُن کی بیوی گل بہار رسوئی میں دوپہر کا کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی مگر بچّوں کی دھاچوکڑی اور اُن کی باتیں اُسے برابر سنائی دے رہی تھیں۔ دلدار صاحب کے بڑے بیٹے کامران نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''میری پہیلی بوجھو، جو میری پہیلی بوجھے گا وہ ہر امتحان میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''بولو کیا پہیلی ہے؟'' سب نے اُسے پوچھا۔

کامران نے کہا۔

''کٹورے پہ کٹورا بیٹا باپ سے بھی گورا، بوجھو کیا ہے؟ پاپا آپ بعد میں بتائیں گے۔ پہلے یہ دونوں اُس نے اپنے چھوٹے بھائی اور بہن کی طرف اشارہ کیا۔

مہربان اور رابعہ تھوڑی دیر تک بندی کرتے رہے اور کامران نفی میں سر ہلاتا رہا۔ بالآخر دلدار صاحب نے کامران سے پوچھا۔

''بیٹے میں بتاؤں؟''

''جی ہاں پاپا بتائیے۔''

''ناریل''

''واہ پاپا واہ آپ نے صحیح بتایا۔''

''اچھا میری پہیلی بوجھو مگر پاپا آپ بعد میں بتائیں۔'' اب کی بار مہربان نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''سر کٹے کسی کا روئیں ہم بوجھو کیا چیز ہے؟'' اس بار کامران نے تک بندی کرنے کے بعد خاموشی اختیار کی تو دلدار صاحب بول اٹھے۔

''بیٹا میں بتاؤں؟''

''بتائیے پاپا۔''

''پیاز''۔

''پاپا..... آپ فوراً بتا دیتے ہیں، آپ کا دماغ کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے۔'' دلدار صاحب نے نصیحت آمیز لہجے میں کہا۔

''بیٹے! محنت اور سچائی دنیا کی دو عظیم طاقتیں ہیں، انہیں حاصل کرو تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی، اب بولو کیا تم سب محنت سے پڑھو گے اور ہمیشہ سچ بولو گے؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تینوں بچّوں نے با آواز بلند جواب دیا۔

''ہاں پاپا.....ہم محنت کریں گے اور ہمیشہ سچ بولیں گے۔''

پہیلیاں بوجھنے کا سلسلہ ختم ہوا تو تینوں بچّوں کے دل و دماغ میں مختلف سوالات کلبلانے لگے۔ بڑے بیٹے کامران نے کہا۔

''پاپا اب میرے سوال کا جواب دیجئے۔''

''ہاں بیٹا سوال پوچھو'' دلدار صاحب اپنے بیٹے کے سوال کا جواب دینے کے لئے مستعد ہو گئے۔

''پاپا ہم دنیا میں کہاں سے آئے ہیں اور کہاں چلے جائیں گے؟''

''کامران بیٹے! بہت اہم اور اچھا سوال پوچھا ہے تم نے۔ سنو اپنے سوال کا جواب: ہم پیدا ہونے سے پہلے عالم ارواح میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی رضا اور قدرت سے اس دنیا میں پیدا فرمایا۔ یہ دنیا ہمارے لئے ایک امتحان گاہ ہے۔ خدا تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون میرا حکم مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ زندگی ایک مختصر سا سفر ہے! جس کا خاتمہ موت پر ہے۔ مرنے کے بعد ہم اپنے اچھے اعمال کی بنا پر بہشت میں داخل ہوں گے اور برے اعمال کی بناء پر دوزخ میں۔ یاد رکھو بیٹے مرنے کے بعد بھی ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہے، جسم مٹی ہو جاتا ہے۔ لیکن روح نہیں مرتی۔''

تینوں بچّے بڑی فکرمندی اور دلچسپی سے دلدار صاحب کی متصوفانہ باتیں سن رہے تھے۔ اُن کے چہروں سے معصومیت اور خوف کے آثار نمایاں ہو رہے تھے چھوٹے بیٹے مہربان نے دلدار صاحب سے پوچھا۔

''پاپا تقدیر کسے کہتے ہیں؟''

''بیٹے تقدیر، ہر انسان کی ایک ایسی خفیہ کتاب ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اس کتاب میں خدا نے ہر شخص کی پیدائش سے پہلے ہی یہ لکھ دیا ہے کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرے گا۔ گویا دنیا میں ہمارے اچھے یا برے اعمال کا کرنا ازل ہی سے طے ہے۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے بیٹے کامران نے متعجب ہوکر پوچھا۔

''پاپا! اگر خدا تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں پہلے ہی ناکامیابی لکھ دی ہوگی تو کیا ہماری کوششوں سے ہمیں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے؟''

''بیٹے بالکل کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ آپ خدائی ضابطے کی پابندی کریں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر وہ کام کریں جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔''

چھوٹے بیٹے سے رہا نہ گیا، اُس نے کہہ دیا۔

''مگر پاپا! خدا جب توفیق دے تبھی نا۔''

''ہاں بیٹے، خدا سب سے بڑا ہے۔''

رابعہ جو کافی دیر سے سہمی ہوئی باتیں سن رہی تھی، بڑی معصومیت سے بول اٹھی۔

''پاپا..... شیطان کیا ہوتا ہے؟''

''بیٹا! شیطان خدا تعالیٰ اور انسان کا ازلی دشمن ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا، لیکن وہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اُسے برے کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ برائی اسے بہت پسند ہے اور اچھائی سے سخت نفرت کرتا ہے۔''

''پاپا! اس کا گھر کہاں ہے؟''

''بیٹا برائی کے اڈے اُس کے گھر ہیں۔''

اسی اثناء میں گل بہار جھنجلاتی ہوئی رسوئی سے بیڈروم میں آئی اور بچّوں کو ڈانٹتے ہوئے دلدار صاحب سے بولی۔

''ان بچّوں کو کچھ پڑھائیں، لکھائیں، یہ شیطان اور انسان کی باتیں چھوڑیئے، یونہی یہ فضول اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ انہیں جنرل نالج کی باتیں سکھائیں تاکہ یہ آگے چل کر کچھ بن سکیں۔''

گل بہار کی باتیں سن کر دلدار صاحب کی پیشانی پر کچھ شکنیں سی اُبھر آئیں انہوں نے تحمل مزاجی اور فلسفیانہ انداز میں بیوی سے کہا۔

''گل بہار! تم اپنے بچّوں میں جو جنرل نالج منتقل کروانا چاہتی ہو، وہ اسی دنیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تک محدود ہے۔ کیا ہم اپنے بچّوں کو روپئے کمانے کی مشین بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بچّے ہیں ان کا نفسیاتی مطالعہ ان کی بہتر تعلیم و تربیت میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی ہنسی خوشی اور کھیل کود میں ہم والدین کو برابر کا شریک رہنا چاہیئے تا کہ انہیں کسی قسم کا ذہنی دباؤ نہ پڑے۔ میں ان کو دین و دُنیا کا نالج دینا چاہتا ہوں۔ گُل بہار! زندگی بڑا ہی حسین سفر ہے۔ بشرطیکہ انسان کو اسے طے کرنے کا سلیقہ آئے۔ بے صبری انسان کے اندر غصے کو جنم دیتی ہے اور حرص و ہوس اُسے پریشانی، ذلت و رسوائی اور گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیتی ہے۔ اس لئے ہمیں ان فاسد جذبات سے گریز کرنا ہوگا اور ان بچّوں کے ساتھ بہار بن کر رہنا ہوگا۔''

دلدار صاحب کی نصیحت آمیز باتیں اور لفظ بہار سن کر گل بہار کے ہونٹوں پہ مسکان رقص کر گئی اور اُس نے بھی ایک وفادار اور جہاں دیدہ خاتون کی طرح اپنا نظریۂ حیات بیان کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نے بجا فرمایا۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ زندگی بذات خود کافی حسین ہے۔ میں زندگی کو ایک صاف و شفاف دریا سے تعبیر کرتی ہوں۔ جس میں مٹھاس اور سرشاری کی خوشبو گھلی ہوئی ہے۔ مگر جب انسان کی ذہنی و جسمانی خباثت اس میں داخل ہوتی ہے تو پھر زندگی جیسے پرسکون دریا میں زہر کی سی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں تک ہمارے بچّوں کے روشن مستقبل کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری ہم دونوں پر عائد ہوتی ہے۔''

دلدار صاحب نے بات کو طول نہ دیتے ہوئے کہا۔

''تم بھی درست کہہ رہی ہو۔''

گل بہار رابعہ کی طرف مڑی اور اُسے بازو سے پکڑ کر بولی۔

''چل نگوڑی! میں تیرے کپڑے بدلتی ہوں، وہ اُسے باتھ روم کی طرف لے گئی۔

چند لمحوں کے بعد دروازے پر کال بیل بجی، دلدار صاحب خود اٹھے اور دروازہ کھولا۔ باہر ڈاکیہ خاکی رنگ کا ایک سرکاری لفافہ ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ اس نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آداب بجالاتے ہوئے لفافہ دلدار صاحب کے ہاتھ میں دیا۔ انہوں نے لفافہ چاک کر کے پڑھنا شروع کیا۔ مضمون تھا ''آل انڈیا ریڈیو کانفرنس'' وہ آہستہ سے کرسی پر بیٹھے اور خط کو دوبارہ پڑھنے لگے۔ کامران اور مہربان دونوں بیٹے اپنی پڑھائی میں مگن تھے اندر سے گل بہار کی آواز آئی۔

''اجی کون تھا دروازے پہ؟''

دلدار صاحب نے کہا۔

''ڈاکیہ، ڈاک دے کے چلا گیا، ۱۲ر نومبر کو ممبئی میں آل انڈیا ریڈیو کانفرنس ہے، اس میں میری شمولیت ضروری ہے۔ ٹی اے ڈی اے بھی ملے گا۔ بس سمجھ لو تین دن کے بعد میری گھر سے روانگی ہوگی۔ میں آج ہی ریزرویشن کراؤں گا۔ تم پریس کر کے بریف کیس میں میرے تین سوٹ اور میری فائلیں ڈال دینا۔''

''آپ ممبئی سے میرے لئے کیا لائیں گے؟'' گل بہار نے پوچھا۔

''جو تم چاہو گی وہی لاؤں گا جانم!'' دلدار صاحب نے محبت بھرے انداز میں جواب دیا۔

گل بہار نے کہا۔

''میں نے سنا ہے وہاں بجلی سے چلنے والی مشینیں کافی سستی ملتی ہیں۔ اگر ہو سکے تو میرے لئے واشنگ مشین لیتے آیئے، چونکہ کپڑے دھونے سے میری کمر میں اب درد ہو جاتا ہے۔''

''ضرور لاؤں گا۔'' دلدار صاحب نے تسلی دی۔

بڑا بیٹا کامران بولا۔

''پاپا میرے لئے ممبئی شہر کی سینری لے آیئے، مجھے سینریاں بہت پسند ہیں۔''

''معمولی بات ہے بیٹے لیتے آؤں گا۔''

چھوٹے بیٹے مہربان نے بھی اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''پاپا میرے لئے ویڈیو گیم ضرور لانا۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''ہاں بیٹے لے آؤں گا۔''

''اور پاپا..... میں! میرے لئے کیا لاؤ گے؟''

''بیٹیا آپ بولو کیا لاؤں تمہارے لئے؟ تمہیں کون سی چیز پسند ہے؟''

رابعہ نے کہا۔

''پاپا..... میرے لئے طوطا لانا۔ مگر زندہ طوطا۔ میں اُسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں گی اور اُسے کلمہ سکھاؤں گی، مجھے طوطا بہت اچھا لگتا ہے۔''

دلدار صاحب اپنی بچی کی انوکھی خواہش پہ ہنس پڑے۔ انہوں نے پیار سے اُسے گلے لگایا اور کہا۔

''میری بچی! آپ کے لئے ضرور طوطا لاؤں گا۔''

تین دن کے بعد دلدار صاحب شام کے تقریباً سات بجے کے قریب ممبئی کے لئے روانہ ہوگئے۔ اُن کی بیوی اور بچّے انہیں ریلوے اسٹیشن تک رخصت کرنے آئے۔ جب ٹرین چل پڑی تو بچّے انہیں دور تک ہاتھ ہلاتے رہے۔ انہوں نے بھی ہاتھ ہلایا، تب انہیں محسوس ہوا کہ آدمی تو دنیا میں یقیناً مسافر ہے۔ آج کہیں تو کل کہیں۔ آدمی کی زندگی تو مختصر ہے اور اس کی امیدیں کافی طویل ہیں۔ آدمی کا بچپن کھیل میں بیت جاتا ہے۔ جوانی نیند میں اور بڑھاپا آہوں اور سسکیوں میں۔ وہ ابھی اپنی سیٹ پہ بیٹھنے ہی والے تھے کہ اچانک ان کی نظر آسمان کی طرف اٹھی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ستارے ٹمٹمانے لگے تھے۔ انہوں نے دور تک عرش و فرش پر نظریں دوڑائیں اور خدا تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور اس کی صناعی کا مشاہدہ دیر تک کرتے رہے۔ ٹرین اب پوری رفتار سے پٹری پر دوڑ رہی تھی۔ چھک چھک کی آواز سے ایک نغمگی کا احساس ہو رہا تھا۔ بریف کیس دلدار صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ وہ کمبل اوپر اوڑھ کر اپنی سیٹ پر بیٹھے ہی تھے کہ انہیں ٹرین میں دور سے کسی خاتون کے گانے کی آواز سنائی دی۔ آواز میں کافی لوچ اور سریلا پن تھا جو مسلسل اُن کی جانب بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اُن کے سامنے کم و بیش

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

۲۰ سال کی ایک خوبصورت سانولے رنگ کی لڑکی ہاتھوں میں ویشنو ماتا کی مورتی لکڑی کے ایک چھوٹے سے ڈبے میں سجائے، دھوپ بتی جلائے گا رہی تھی۔

''سچا ہے دربار شیراں والی دا''

پھر اُس نے دلدار صاحب کے آگے ہاتھ پھیلایا اور کہنے لگی۔

''دے دو بھائی روپیہ دو روپیہ ماتا کے نام پر۔''

دلدار صاحب نے لڑکی کو سرتا پا دیکھا تو ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگے، بھیک مانگنا ہمارے ملک کی ایک روایت بن چکی ہے۔ کام کرنے کی بجائے لوگوں نے بھیک مانگنا شروع کر دیا ہے۔ آخر اس لڑکی میں کون سی معذوریت ہے۔ صوفی، سنتوں، رشی منیوں اور دیوی دیوتاؤں کا تقدس کتنا پامال ہو رہا ہے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہے تھے کہ ڈفلی کی آواز اُن کے کانوں میں آئی۔ ایک سفید ریش آدمی سر پر ہرے رنگ کی ٹوپی، گلے میں موٹے منکے والی کالے رنگ کی مالا پہنے ڈفلی کی تال پر پُر جوش انداز میں گا رہا تھا۔

''دکھیوں کے ہیں مسیحا اجمیر والے بابا۔''

بھکاری شخص نے دلدار صاحب کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

''بادشاہو! کچھ نہ کچھ دے دو، اس پاپی پیٹ کا مسئلہ ہے۔'' اس نے زور سے ہاتھ اپنے پیٹ پر مارا۔ دلدار صاحب نے اُسے بھی سرتا پا دیکھا تو دل مسوس کر رہ گئے اور بھکاری آگے بڑھ گیا۔

رات کے دس بج رہے تھے۔ نیند دلدار صاحب کی آنکھوں میں اُتر آئی تھی، انہوں نے خدا کو یاد کیا اور سو گئے۔ ٹرین کی رفتار کبھی تیز اور کبھی دھیمی ہو جاتی اور جب شہروں اور قصبوں میں داخل ہوتی تو بجلی کے بے شمار بلبوں اور ٹیوب لائٹوں کی روشنی سے معلوم ہوتا کہ انسانی اور حیوانی مخلوق آرام فرما ہے۔ مختلف اسٹیشنوں پہ ٹرین تھوڑے وقت کے لئے رُکتی اور پھر چل پڑتی۔''

صبح تقریباً سات بجے کے قریب جب ٹرین اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ چنیلی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ریلوے اسٹیشن پر رُکی تو دلدار صاحب کی نیند کھل گئی۔ وہ اُٹھ بیٹھے۔ اسٹیشن پر لوگوں کی کافی بھیڑ تھی۔ کچھ لوگ ٹرین پر سے نیچے اُترے اور کچھ سوار ہوئے۔ دلدار صاحب کی نظر پلیٹ فارم پہ ایک جگہ پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ گذشتہ شب کو تولد ہوا ایک خوبصورت نوخیز بچہ گدڑیوں میں سویا ہوا ہے اور لوگ اُسے دیکھ کر ہنستے ہوئے گزر رہے ہیں، یہاں تک کہ پولیس اہل کار اور ریلوے اسٹیشن کے منتظمین بھی اس گدڑیوں میں لپٹے لعل کو ایک بیکار اور نجس سی شے سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے ایک مریل سا کالا کتا فرش کو سونگھتا ہوا اُس بچّے کے قریب پہنچا تو دلدار صاحب نے فوراً اپنا سامان اٹھایا اور چلتی ٹرین سے نیچے اُتر گئے۔ انہوں نے کتے کو بھگایا اور بچّے کو اپنی گود میں اٹھالیا۔ کتا دراصل اپنی بھوک مٹانے کے لئے اس بچّے کو کھانا چاہتا تھا۔ دلدار صاحب نے اس لاوارث بچّے کو بالکل نئے کپڑے خرید کر پہنائے۔ پشمینے کے ایک چھوٹے سے کمبل میں رکھا۔ نپل والی بوتل خریدی اور اُس میں دودھ ڈال کر اس بچّے کو پلایا۔ بچّے نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں۔ اُسی وقت دلدار صاحب نے واپس گھر آنے کا ٹکٹ خریدا۔ بچّے کو کندھے سے لگائے جب وہ ٹرین میں بیٹھے تو اُن کے دل و دماغ میں سوچ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ وہ بار بار اس لاوارث بچّے کے چہرے کو دیکھتے اور یہ سوچ کر رہ جاتے کہ آخر اس بچّے کے ماں باپ کون ہیں؟ جو اس ننھے بچّے کو اُس سروسامانی کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ کیا یہ کسی بھکارن کا بچّہ تو نہیں یا پھر کسی ایسی دوشیزہ کا جو بدنامی کے داغ سے بچنے کے لئے ایسی انسانیت سوز حرکت کر گئی ہو۔ پھر اُنہیں ایک ماہر عمرانیات کا قول یاد آ گیا کہ ''دنیا میں ہر برائی کے پیچھے جنسی جذبات کارفرما رہتے ہیں۔''

دوسرے دن جب دلدار صاحب اس لاوارث بچّے کو لے کر گھر پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ گل بہار گھر میں اپنے بچّوں کو پڑھا رہی تھی۔ دلدار صاحب نے بیل بجائی تو اندر سے گل بہار نے پوچھا۔

''کون ہے؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دلدار صاحب نے کہا۔

''گھر والا گھر میں آ رہا ہے۔'' اُن کی آواز بیوی اور بچّوں نے پہچان لی تو تینوں بچّے ماں کے ساتھ دروازے پر آئے اور فوراً دروازہ کھول دیا۔ آگے کیا دیکھتے ہیں کہ دلدار صاحب اس لاوارث بچّے کو بانہوں میں جھلا رہے ہیں۔ گل بہار اور تینوں بچّے انہیں دیکھتے ہی ششدر رہ گئے رابعہ نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔

''پاپا! میرا طوطا.....؟''

کامران کی نگاہیں ممبئی کی سینری دیکھنے کو ترس رہی تھیں اور مہربان اپنی ویڈیو گیم ڈھونڈ رہا تھا لیکن گل بہار کے دل میں اپنے شوہر دلدار صاحب کا سولہ برس کا اعتماد متزلزل ہو رہا تھا۔ اُس کی پلکیں آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں اور غم و غصے کے باعث چہرے کی بشاشت مفقود ہو چکی تھی۔ اُس نے روتے ہوئے کہا۔

''آخر آج میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں! میرے مرنے کے بعد ایسا کرتے تو مجھے کوئی دُکھ نہ ہوتا..... آپ نے ان بچّوں کا بھی خیال نہیں کیا! نہ جانے کب سے آپ نے دوسری شادی کر رکھی ہے۔ کہاں رکھی ہے وہ رکھیل! کہو اس بچّے کی ماں کہاں ہے؟''

دلدار صاحب گرج اٹھے ''گل بہار.....! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ یہ لاوارث بچّہ ہے جسے میں نے بڑی مشکل سے ایک کتے سے بچایا ہے۔ تم عورتیں ہر معاملے کو شک کی نظر سے دیکھتی ہو، کیا تم مجھ پر شک کر رہی ہو جب کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

دلدار صاحب کی سچی کھری باتیں سن کر گل بہار نے اطمینان کی سانس لی، پھر وہ دلدار صاحب کے قریب آئی اور اُس بچّے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''بچہ تو بہت خوبصورت ہے!''

پھر اس نے دلدار صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ جانے کیا تلاش کیا۔ دلدار صاحب نے کہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''اب تم اس لاوارث بچّے کی ماں ہو۔ اسے اپنا تیسرا بیٹا سمجھو تا کہ اسے کبھی بھی اپنے لاوارث ہونے کا احساس نہ ہو۔''

گل بہار نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

''میرے پاس دیجئے اس بچّے کو، میں اسے ماں کی طرح اپنالوں گی۔''

اب یہ لاوارث بچّہ گل بہار کی بانہوں میں تھا اور وہ آہستہ آہستہ اسے بیڈروم کی طرف لے جارہی تھی۔ اس کے پیچھے دلدار صاحب اور ان کے تینوں بچّے بھی اندر جارہے تھے اس جوش وجذبے کے ساتھ کہ جیسے انہیں قدرت کی طرف سے ایک انمول ہیرا مل گیا ہو۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بیٹی

جب اس کی بیوی نے پہلی بار ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا تھا تو اُسے بیحد خوشی ہوئی تھی۔ پورے ایک مہینے تک اس کے گھر میں مٹھائیاں بٹتی رہی تھیں۔ دوست احباب نے بیٹے کی پیدائش پر مبارکباد دی تھی۔ اس کے ماں باپ، بہن بھائی اور رشتے داروں کے چہرے خوشی سے کھل اُٹھے تھے۔

لیکن آج ویک اینڈ پر جونہی وہ گھر کے اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کے گھر والے چہرے لٹکائے بیٹھے تھے اور اس کی بیوی دو دن کی بچی کو دودھ پلا رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا چونکہ اس کی بیوی نے بیٹی کو جنم دیا ہے اس لئے گھر کے تمام افراد کا رویہ روکھا ہے پھر بھی اس نے بچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیوی سے پوچھا۔

''یہ کیا ہے؟''

بیوی مسکراتے ہوئے بولی ''بیٹی''۔

''لفظ ''بیٹی'' سنتے ہی اس کے دل کی گہرائیوں میں احساس ذمے داری کی تیز چھری اُترتی چلی گئی۔ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے چہرے پر جو بشاشت تھی وہ بہت جلد کافور ہوگئی۔ اُسے یہ معلوم ہوتے ہی بیحد خوف اور دُکھ ہوا کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔ اُسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے ہزاروں لوگوں کے سامنے اُس کا وجود زمین میں دھنستا جا رہا ہو اور لوگ اس کا یہ حال دیکھ کر قہقہے لگا رہے ہوں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شام ہورہی تھی۔ آسمان پر گھنے سیاہ بادلوں نے گھیرا ڈال دیا تھا۔ لیکن بجلی کی روشنی سے سارا شہر جگمگا رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ وہ کمرے سے اُٹھ کر برآمدے کی کرسی پر آ بیٹھا اور خیالوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔ اُسے اپنا مستقبل ایک کالی دیوار کی مانند دکھائی دینے لگا۔ اُسے بار بار یہ خیال اندر ہی اندر نوچ رہا تھا کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔ وہ شعوری اور لاشعوری طور پر بیٹی کے بارے میں بہت سی باتیں سوچتا رہا۔ اس نے چھوٹی ہی عمر میں اپنی ماں سے یہ باتیں سن رکھی تھیں۔ ''بیٹی پرایا دھن ہوتی ہے'' ''پڑھاؤ لکھاؤ اور پال پوس کر کسی دوسرے کے حوالے کردو۔'' یا یہ کہ بیٹی ماں باپ کے دل کا گہرا زخم ہوتی ہے!'' وہ نہ جانے اور کیا کچھ سوچتا کہ اتنے میں اس کی چھوٹی بہن نے آ کر کہا۔

''بھیّا کھانا کھانے کے لئے آ جایئے۔''

وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور اُداس سا اندر چلا گیا۔ کھانا کھاتے اُسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ اناج نہیں، مٹی کھا رہا ہو۔ بیوی نے اس کے اندر کی کیفیت بھانپ لی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد جب وہ بیوی کے قریب جا کے بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے نہ جانے کیا تلاش کرنے لگا تو بیوی کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ اُس نے روتے ہوئے کہا۔

''اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

اُس نے بیوی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے سر پر زور زور سے ہتھوڑا مار رہا ہو۔ وہ اُٹھا اور بیوی کے قریب ہی ایک دوسری چارپائی پر لیٹ گیا۔ شرم اور احساس ذمے داری کا اَن دیکھا ہیولیٰ اُسے بار بار جھنجھوڑ دیتا۔ وہ بار بار یہ کوشش کرتا کہ اس کے دل و دماغ میں بیٹی کے پیدا ہونے پر کوئی بھی تشویش اور مایوسی پیدا نہ ہو لیکن ہر بار اس کے ذہن و دل میں ان اذیت ناک خیالات کی گرفت مضبوط ہو جاتی۔ اُس نے نیند کی خاطر کروٹ بدلی مگر فوراً وہ نوزائیدہ بیٹی کے مستقبل پر غور و فکر کرنے لگا۔ وہ سوچنے لگا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کی بیٹی دو دن کی ہو چکی ہے۔ دیکھتے دیکھتے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دے گی۔ کیا وہ اس کی صحیح تعلیم و تربیت کر سکے گا؟ موجودہ دور میں کتنی بداخلاقیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ معاشرے میں ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جو حرص و ہوس کے پجاری ہیں۔ سنیما اور رسائل کے ذریعے بداخلاقی اور فحاشی کی تعلیم دی جانے لگی ہے۔ چوروں، بدمعاشوں اور دغا بازوں کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے۔ اندھا دُھند فیشن پرستی کی دلدل میں نئی نسل دھنستی جا رہی ہے۔ کیا اس کی بیٹی ان تمام بحرانی مسائل کا مقابلہ کر پائے گی؟

اس نے دوسری کروٹ لی تا کہ نیند کی پری اُسے اپنی آغوش میں لے لے، مگر نیند تو جیسے اُس کی آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئی تھی۔ فوراً اُس کے ذہن میں خیال آیا کہ جہیز کی اندھی رسم معاشرے میں مختلف روپ اختیار کر چکی ہے۔ کل اُس کا داماد بھی اُسے جہیز دینے کے لئے پریشان کرے گا اور کیا بیٹی کے لئے اُسے کوئی مناسب رشتہ مل پائے گا۔ اسے معلوم تھا جب کسی گھر میں بیٹی جوان ہونے لگتی ہے تو ماں باپ کی نیند اُڑ جاتی ہے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ سماج کے آوارہ اور اوباش لوگ شریف گھرانے کی بیٹی کو راہِ راست پر نہیں رہنے دیتے۔ ان تمام باتوں پر غور و فکر کرتے ہوئے اُسے انتہائی گھٹن محسوس ہونے لگی۔ اس نے پھر کروٹ بدلی تا کہ آرام کی نیند سو سکے۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے ذہن میں یکے بعد دیگرے کئی سوالات اُبھرتے چلے گئے۔ اُس کا ذہن ماضی، حال اور مستقبل میں گردش کرتا رہا۔ عرب میں اسلام سے قبل بیٹیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا اور ہندوستان میں بھی بیٹیوں کو ستی کے طور پر جلایا جاتا تھا اور اخبارات میں بھی ہر روز یہی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ فلاں بیٹی نے زہر کھا کر خودکشی کی اور فلاں کی بیٹی نے سسرال والوں سے تنگ آ کر اپنے آپ کو آگ لگا لی۔ ان تمام باتوں پر غور و فکر کرنے سے اُسے سخت روحانی اذیت پہنچ رہی تھی۔ اُس نے ایک بار پھر کوشش کی کہ اُسے نیند آ جائے اور سوالات کا یہ لامتناہی سلسلہ اس کے ذہن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے منقطع ہو جائے لیکن نیند کی دیوی روٹھی رہی۔ اُس نے پھر کروٹ بدلی۔ اب اس کے دل و دماغ کو پھر یہ احساس ستانے لگا کہ تم ایک بیٹی کے باپ بن چکے ہو۔ اس بار بیٹی سے متعلق اس کی سوچ مثبت رویہ اختیار کرنے لگی۔ سوچتے سوچتے اس نے اپنے آپ سے کہا ''اس دنیا میں بیٹی کا تقدس اور رتبہ بہت بلند بھی ہے کیونکہ اسی کے بطن سے انبیاءؑ، صوفیائے کرامؒ اور بزرگانِ دین پیدا ہوئے ہیں ملکہ نور جہاں، ملکہ وکٹوریہ، رانی جھانسی، چاند بی بی، رضیہ سلطان، سروجنی نائیڈو اور اندرا گاندھی بھی تو کسی کی بیٹیاں ہی تھیں۔ آج بیٹیاں زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کر رہی ہیں۔ انہوں نے ایک معمولی دفتر سے لے کر اعلیٰ سیاسی حلقوں تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ پھر میں کیوں اپنی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر دماغ خشک کر رہا ہوں۔ مجھے اپنی بیٹی کے متعلق مزید نہیں سوچنا چاہئے اور یہ خیال آتے ہی اُس نے لحاف سے چہرہ ڈھانپ لیا لیکن ایک بار پھر احساس شکستگی نے اُسے آ گھیرا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی سوچ اپنی بیٹی سے متعلق جاری رہی۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا ٹھیک ہے موجودہ دور میں بیٹیاں ستاروں پر کمندیں ڈال چکی ہیں۔ وہ ترقی کے تمام زینے طے کر چکی ہیں۔ بھلے ہی وہ کتنی ہی ترقیاں کیوں نہ کر چکی ہوں لیکن بنیادی طور پر وہ انتہائی کمزور اور بیحد مجبور ہیں۔ وہ اپنے آپ سے محو گفتگو تھا کہ اچانک مندروں سے گھنٹیاں اور مسجدوں سے اذانیں گونج اٹھیں۔ وہ چونک اٹھا۔ اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی، صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ وہ اُٹھا اور وضو کر کے نمازِ فجر ادا کی۔ گھر کے سبھی افراد ابھی تک سوئے تھے۔ باہر درختوں پر چڑیوں نے چہچہانا شروع کر دیا تھا۔ روشنی پھوٹ رہی تھی۔ رات بھر سوتے رہنے کی وجہ سے اُس کی آنکھوں میں سرخی اور سر میں درد پیدا ہو چکا تھا لیکن وہ اپنے عزیز دوست مدن ورما کے پاس جانے کے ارادے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی نظر بیٹی کے چہرے پر پڑی۔ وہ معصوم نیند کے عالم میں تھی۔ اس کی زبان سے بیساختہ نکل گیا۔ بیٹی! اور اسی احساس شکستگی کے ساتھ وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مدن ورما کے گھر پہنچا اور جونہی گھر میں داخل ہوا تو مدن ورما

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُسے دیکھتے ہی بولا۔

''واہ! آج یہ چاند کدھر سے نکل آیا۔ کیا حال ہے میرے دوست؟''

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ مدن ورما کے تینوں بیٹے آنگن میں بیٹھے لکھنے پڑھنے میں مصروف تھے۔ ورما کی بیوی گنگوتری رسوئی میں ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ مدن ورما اٹھا اور اس کے لئے چائے لے کر آ گیا۔ چائے پیتے ہوئے مدن کی نظر اس کی آنکھوں پر پڑی، جو انگارے کی طرح سرخ دکھائی دے رہی تھیں۔ ورما نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تیری آنکھیں سرخ کیوں ہیں؟''

''یار! رات بھر نیند نہیں آئی۔''

''کیوں؟'' ورما نے پوچھا۔

''میرے دوست! تجھے شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے گھر میں بیٹی پیدا ہوئی ہے اور جب سے بیٹی پیدا ہوئی ہے تب سے میری نیند غائب ہے۔''

''بیٹی تو خوش نصیبی کی علامت ہے۔ تیرے گھر میں لکشمی آئی ہے۔ میرے دوست بیٹی بہت وفادار ہوتی ہے جس گھر میں بیٹی نہیں ہوتی وہ گھر کھنڈر ہوتا ہے، بیٹی گھر کی رونق ہوتی ہے، دیکھ میرے تین بیٹے ہیں، میری بیوی گنگوتری کی کمر میں اکثر درد رہتا ہے۔ میں جب دفتر چلا جاتا ہوں اور تینوں بیٹے اسکول چلے جاتے ہیں تو گنگوتری اکیلی درد کی وجہ سے بستر پر کراہتی رہتی ہے، کبھی کبھی ہمارے گھر کھانا بھی نہیں پکتا اور نہ برتن دھوئے جاتے ہیں۔ میں اور گنگوتری ایک بیٹی کے لئے کتنا ترستے ہیں۔ لیکن ہماری کوئی بیٹی نہیں، میری بیٹی ہوتی تو وہ گھریلو کاموں میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی، لیکن ہم بدنصیبوں کی قسمت میں ''بیٹی'' کہاں۔ اگر تو بیٹی کے پیدا ہونے پر اتنا مایوس ہوا ہے تو لا اپنی بیٹی ہمیں سونپ دے۔ ہم اسے خوشی خوشی اپنا لیں گے ہمارے گھر میں روشنی آ جائے گی۔''

مدن ورما کی باتیں سن کر اُسے ندامت کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی۔ وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خاموش مدن کی باتیں سنتا رہا اور جب اُس سے رخصت ہونے لگا تو اُس کے چہرے پر خوشی کے آثار اور دل میں یہ احساس تھا کہ وہ ایک اہم اور قیمتی شے کا مالک بن گیا ہے۔

وہ جب اپنے گھر پہنچا تو اس کا دل خوشی سے اُچھل رہا تھا۔ اُس کی بیوی بیٹی کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس نے آتے ہی بیٹی کو اپنی گود میں اٹھالیا۔ تو اُس کی بیوی نے پوچھا۔ ''خیر تو ہے، بیٹی پر اچانک لاڈ کیوں آنے لگا۔'' اُس نے بے حد غور سے اپنی بیوی کو دیکھا اور بولا۔ ''اس لئے کہ بیٹی گھر کی زینت ہوتی ہے۔''

بیوی نے اپنی حیران حیران آنکھوں سے اُسے دیکھا اور دوسرے ہی لمحہ اپنی پلکوں پر لرزتے موتی خشک کرنے لگی۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شرافت

رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی تینوں ادھیڑ عمر کے تھے۔ تینوں کے نام علی پر ختم ہوتے تھے اور یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ ان کے نام ہم قافیہ و ہم ردیف تھے۔ یہ آپس میں کوئی سگے بھائی نہیں تھے اور نہ ہی ذات اور خاندان کے لحاظ سے ان کا کوئی قریبی تعلق تھا۔ لیکن ان کے مزاج میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش تھی جو انہیں ہر وقت ایک دوسرے کے شانہ بشانہ رہنے پر مجبور کر دیتی۔ تینوں انتہائی نیک، شریف النفس، با اخلاق اور عمدہ ترین صفت یہ کہ سب کے خیر خواہ تھے۔ گاؤں کے ترقیاتی کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتے۔ چندہ اکٹھا کر کے بیوہ عورتوں اور یتیم بچّوں کی مدد کرتے۔ ہر بری عادت سے یوں بھاگتے جس طرح کوئی آدمی اچانک سانپ کو دیکھ کر بھاگتا ہے اگر گاؤں میں دو آدمیوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جاتا تو یہ تینوں ان میں صلح کرواتے۔ انہیں پولیس اور عدالت میں جانے سے روکتے۔ ان کا یہ خیال اپنی جگہ بالکل درست تھا کہ گاؤں والے غریب اور جاہل ہوتے ہیں جو معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑوں پر اُتر آتے ہیں اور پھر اپنا سارا سرمایہ پولیس اور عدالت کے حوالے کر کے خود ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ ''ہندو۔ مسلم، سکھ، عیسائی آپس میں ہیں بھائی بھائی'' کے سیکولر نظریے کے یہ بڑے قائل تھے اور بہت حد تک انہوں نے اس نظریے کو عملی جامہ بھی پہنا لیا تھا۔ ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ یہ دنیا فانی ہے اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انسان کا اس سے دل لگانا سراسر ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس لئے وہ نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی کے ساتھ پکّے توحید پرست تھے۔ چلتے پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے یہاں تک کہ معمولی اور غیر معمولی کاموں میں ہر وقت ان کی زبانیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے ذکر سے رطب اللسان رہتیں۔ انہیں ہر حال میں اس بات کی فکر رہتی کہ تمام انسان کس طرح اللہ کے احکامات اور نبیؐ کے پاکیزہ اور نورانی طریقوں کے مطابق زندگی گزارنے والے بن جائیں، چنانچہ وہ گھر گھر جا کر لوگوں کو اللہ کے احکامات اور محمدؐ کے نورانی طریقوں سے آگاہ کرتے اور انہیں اپنانے کی دعوت دیتے۔

رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی کے مدمقابل چراغ دین۔ گاؤں کا انتہائی کمینہ اور پست ذہنیت کا آدمی تھا۔ جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا باغی بھی تھا۔ اس کے نزدیک دنیا کی زیب وزینت اور مال ودولت کی اہمیت اس قدر تھی کہ وہ اس کے حصول کی خاطر ہمہ وقت مستغرق رہتا۔ دکان داری کے پیشے سے منسلک تھا جس کی وجہ سے پورے گاؤں پر اس نے اپنا تسلط جما لیا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں گورا لیکن باطن انتہائی سیاہ کہ چار سو بیسی کے سبھی گُر اسے معلوم تھے۔ نماز اور روزے کو وہ فرسودہ باتیں سمجھ کر یوں چھوڑ دیتا کہ جیسے ان خدائی احکامات کے ساتھ اس کے آباواجداد کا کوئی تعلق نہ رہا ہو۔ البتہ نماز جمعہ، نماز عیدین اور نماز جنازہ میں کبھی کبھی شریک ہو جاتا تھا۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ چراغ دین صرف نام کا ہی چراغ دین رہ گیا تھا کیوں کہ اس نے اپنی بداعمالیوں میں کوئی بھی کسر اٹھائے نہیں رکھی تھی۔

ایک دن رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی نے اپنی جگہ یہ مشورہ کیا کہ آج چراغ دین کے گھر جا کر اس کے سامنے دین ودنیا کی حقیقت بیان کی جائے اور اسے بڑی حکمت عملی سے مسجد میں نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ تینوں اس نیک مشورے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر چراغ دین کے گھر کی طرف چل پڑے آگے چراغ دین دکان پر مسند لگائے بیٹھا اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔ دکان پر پانچ گاہک بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ چراغ دین نے جونہی رحمت علی اور اس کے ساتھیوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کو دکان میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے چہرے پر شکنیں اُبھر آئیں اور پورے چہرے پر ایسا تناؤ پیدا ہوا جیسے رحمت علی اور اس کے ساتھیوں نے چراغ دین کے گھر میں کوئی بہت بڑا ڈاکہ ڈالا ہو۔ رحمت علی اور اس کے ساتھیوں نے بآواز بلند چراغ دین کو سلام کیا اور پھر ہر ایک نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔ تینوں ایک طرف بیٹھ گئے تو رحمت علی نے پوچھا۔

''چراغ بھائی! آپ بخیر و عافیت ہیں نا؟''

''بخیر و عافیت ہی ہوں۔ تبھی دکان پر بیٹھا ہوں اور اگر بیمار ہوتا تو بستر میں دبکا پڑا ہوتا۔''

چراغ دین کا یہ اکھڑ جواب سن کر دکان پر بیٹھے سبھی گاہک قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ رحمت علی اور اس کے ساتھیوں نے شرمندگی سی محسوس کی لیکن پھر بھی خاموش رہے۔ چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی اور اس کے بعد رحمت علی پھر بول اٹھا۔

''چراغ بھائی! آپ ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ ہم آپ کی رہبری چاہتے ہیں سبھی گاؤں والے آپ کا دم بھرتے ہیں۔ ہر کوئی آپ کی بات مانتا ہے۔ خدا نے آپ کو ہر طرح سے نوازہ ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ دنیا داری کے ساتھ ساتھ دین داری کی طرف بھی توجہ دیتے تو سونے پہ سہاگہ ہوتا۔ یہ زندگی تو چند روزہ ہے۔ میرے بھائی! اصل زندگی تو مرنے کے بعد والی زندگی ہے۔ جو نہ ختم ہونے والی ہے۔ وہاں تو انسان کے نیک اعمال ہی اس کے کام آئیں گے۔ یہ مال و دولت یہ دنیا کی آرائش و زیبائش تو وہاں بالکل کام نہیں آئے گی۔ وہاں کام آئے گی تو اللہ کے احکامات اور محمدؐ کے نورانی طریقوں پر گزاری ہوئی یہ زندگی۔ اس لئے ہم آپ سے مخلصانہ گزارش کرتے ہیں کہ پنجگانہ نماز کی پابندی کیجئے اور اس کے علاوہ دوسرے فرائض کو بھی ملحوظ نظر رکھئے جو اسلام نے ہم پر فرض کر دیئے ہیں۔''

دکان پر آئے ہوئے گاہک رحمت علی کی پُر اثر اور حقیقت آمیز باتیں سن کر کافی متاثر ہو گئے لیکن چراغ دین کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اُس نے دکان پر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آئے ہوئے گاہکوں کے سامنے رحمت علی کی نصیحت آمیز باتوں کو اپنی بے عزتی سمجھا۔ وہ اندر ہی اندر آگ بگولہ ہو گیا اور جب اس کا چہرہ غصے سے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گیا تو وہ پھٹ پڑا۔

''تم اپنا راستہ ناپو۔ پورے گاؤں میں تم نے مجھے ہی بے دین سمجھ رکھا ہے تم آئے بڑے نمازی اور میں تمہاری نظر میں بے نمازی۔ تمہیں اگر اس دنیا کے مال و دولت اور اس کی آرائش و زیبائش سے نفرت ہے تو جا کے کہیں مسجد کا گوشہ پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور اللہ اللہ کرتے رہو۔ میں بھی دیکھوں گا تم کیسے بیوی بچّوں کو پالو گے؟''

''چراغ بھائی! یہ بات.....'' رحمت علی نے مزید اسے کچھ سمجھانا چاہا۔ لیکن چراغ دین نے فوراً اس کی بات درمیان ہی میں حذف کر دی اور کہنے لگا ''تمہیں اگر دین کی اتنی فکر ہے تو سنیاس کیوں نہیں لیتے چلے جاؤ گھر بار اور بیوی بچّوں کو چھوڑ کر کہیں جنگل میں فقیر بن کے دھونی رمائے بیٹھے رہو۔ پھر کیوں شادیاں کی ہیں۔ کیوں دنیا کے بکھیڑوں میں پڑے ہو؟''

''چراغ بھائی اسلام.....'' رحمت علی نے ایک بار پھر کوشش کی کہ چراغ دین کو یہ بات سمجھا دے کہ ''اسلام- انسان کو رہبانیت نہیں سکھاتا۔ لیکن چراغ دین نے اپنی بکواس جاری رکھی اور رحمت علی کو یہ موقع نہیں دیا کہ وہ اسے مزید کچھ سمجھا سکے۔

رحمت علی اور اس کے ساتھی دکھی ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے رحمت علی نے چراغ دین سے کہا۔

''اچھا چراغ بھائی! ہم چلتے ہیں خدا ہم سب کو دین اسلام کی سمجھ عطا فرمائے!''

چراغ دین نے جواب دیا ''ہاں! ہاں جاؤ۔ کسی اور کو اپنا دین اسلام سکھاؤ! میں بے دین ہی اچھا۔''

رحمت علی اور اس کے ساتھی انتہائی دکھی ہو کر جب چراغ دین کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو رحمت علی نے نعمت علی اور لیاقت علی سے کہا۔

''میرے بھائیو! کیسے جاہل سے سابقہ پڑا۔ ہم نے بڑی بے وقوفی کی جو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چراغ دین جیسے جاہل بدمزاج اور متکبر شخص کو دین کی دعوت دینے گئے۔

لیاقت علی نے فوراً رحمت علی کو ٹوکا ''نہیں میرے بھائی! ایسا نہ کہئے کیا آپ یہ بھول گئے ہیں کہ ہمارے نبیؐ نے اس دین کی خاطر کتنی اذیتیں برداشت کی ہیں۔ کتنے پتھر کھائے ہیں۔ کیا آپ طائف کا واقعہ بھول گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس دین کی خاطر اپنے نبیوں کو پٹتے دیکھنا گوارا کیا ہے، لیکن اپنے دین کو مٹتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں کیا اور پھر ہم تو معمولی چیز ہیں۔''

رحمت علی نے لیاقت کی باتوں پر سر تسلیم خم کیا اور کہنے لگا۔

''یارخدا ہماری کوتاہیاں معاف کرے۔ لیکن سچ سنو تو چراغ دین کی فضول اور بے بنیاد باتوں نے مجھے بے حد دکھی کر دیا۔''

''چلتے چلتے تینوں ساتھی ایک چوراہے پر پہنچ کر ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔

دوسرا دن جمعہ کا دن تھا۔ رحمت علی نعمت علی اور لیاقت علی سب سے پہلے گاؤں کی جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ رحمت علی نے نعمت علی سے کہا۔

''نعمت بھائی! آج آپ نماز جمعہ سے پہلے دین کی بات کریں گے۔ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نماز کی اہمیت اور فضائل سنایئے اس کے علاوہ دنیا و آخرت کی حقیقت سے بھی عوام کو روشناس کرایئے۔''

نعمت علی نے کہا ''رحمت علی صاحب! میں تو اس لائق نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں اگر آپ دین کی بات کریں تو مناسب رہے گا۔''

''نہیں آج آپ ہی دین کی بات کیجئے۔ رحمت علی نے اصرار کیا تو نعمت علی مان گیا۔ کچھ وقت کے بعد مسجد میں لوگ آنے شروع ہو گئے۔ دیکھتے دیکھتے پوری مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ چراغ دین بھی سب سے پچھلی صف میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اب مسجد کے احاطے میں بھی لوگ بیٹھنے لگے تھے۔ نعمت علی اُٹھ کھڑا ہوا اور مائیک پر بولنے لگا۔ اس نے پہلے تو اللہ کی حمد و ثنا کی پھر درود شریف پڑھا اور اس کے بعد عوام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے مخاطب ہوا۔

''میرے بھائیو! بزرگو! اور دوستو! اللہ تعالیٰ کا ہم سب پر کتنا بڑا احسان ہے جس پاک ذات نے ہمیں انسان بنایا اور پھر ہمیں ایمان جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی۔ ہمیں قرآن وحدیث کی دولت سے نوازہ۔ ہمیں ایک ایسے نبی کی امت میں پیدا فرمایا۔ جو تمام نبیوں کا سردار ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اگر میں محمدؐ کو پیدا نہ فرماتا تو اس پوری کائنات کو بھی پیدا نہ فرماتا۔

میرے بھائیو! بزرگو! اور دوستو! اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانیں اس کے قرآن کو سمجھیں۔ اسی پر عمل کریں اور محمدؐ کے نورانی طریقوں کے مطابق زندگی بسر کریں تاکہ ہمیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہو سکے اور ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جائیں لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بہت سارے بھائی نماز، روزے زکوٰۃ اور حج کو بالکل کوئی بھی اہمیت نہیں دیتے اور رب چاہی زندگی کے بدلے من چاہی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے ہم جیسے برائے نام مسلمانوں کو خدا ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بلکہ دنیا و آخرت میں ذلیل کر دے گا۔ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی آٹھ کھاٹ اور تین سو ساٹھ والی نماز پڑھتے ہیں۔''

سارے لوگ بڑے ادب واحترام اور انہماک سے نعمت علی کی تقریر سن رہے تھے سبھی کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ نعمت علی نے آٹھ کھاٹ اور تین سو ساٹھ والی نمازوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''میرے بھائیو! آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور اُبھرا ہوگا کہ یہ آٹھ کھاٹ اور تین سو ساٹھ والی نمازیں کونسی ہوتی ہیں۔ جنہیں برائے نام مسلمان پڑھتے ہیں؟ ہاں تو سن لیجئے۔

''آٹھ والی نماز جمعہ کی نماز ہوتی ہے جو آٹھ دن کے بعد پڑھی جاتی ہے اور کھاٹ والی نماز سے میری مراد نماز جنازہ ہے۔ اسی طرح تین سو ساٹھ والی نماز عید کی نماز ہوتی ہے۔ ہمارے گاؤں میں زیادہ تعداد ایسے مسلمانوں کی ہے جو آٹھ کھاٹ اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تین سو ساٹھ والی نمازوں کو فرض عین سمجھ کر ادا کرتے ہیں اور ان نمازوں کی پرواہ نہیں کرتے جو ہم پر پانچ وقتوں پر فرض کر دی گئی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ایسے مسلمانوں کو بائیکاٹ کر دیں۔ جو پنجگانہ نماز نہیں پڑھتے اور جب ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نہ تجہیز و تکفین کریں اور نہ ہی جنازہ بلکہ اس کو مردار جانور کی طرح گھسیٹ کر کسی گندی نالی میں ڈال دیں۔ کیوں کہ ایک بے نمازی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنے کا حکم آیا ہے۔''

نعمت علی نے اپنی تقریر کے آخری الفاظ بڑے جوش اور تلخ لہجے میں ادا کر دیئے۔ چراغ دین نے نعمت علی کی ساری تقریر کو اپنی ذات سے منسوب کر دیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے نعمت علی آج عوام سے مخاطب نہیں ہے بلکہ وہ صرف چراغ دین سے مخاطب ہے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے چہرے پر نعمت علی نے اپنے تیز اور نوکیلے ناخن پیوست کر دیئے ہوں اور وہ اس سے کہہ رہا ہو چراغ دین! تو ہی آٹھ کھاٹ اور تین سو ساٹھ والی نماز پڑھنے والا شخص ہے۔ تجھے عنقریب مسلم برادری سے بائیکاٹ کر دیا جائے گا اور جب تو مرے گا تو نعمت علی اور اس جیسے دوسرے لوگ تجھے بغیر تجہیز و تکفین اور جنازہ کے ایک مردار جانور کی طرح گھسیٹ کر کسی گندی نالی میں ڈال دیں گے۔

نماز جمعہ ادا کرنے کے فوراً بعد چراغ دین نے نعمت علی رحمت علی اور لیاقت علی کو ان کی دین داری کا مزہ چکھانے کی قسم کھائی۔ چنانچہ وہ مسجد سے نکل کر سیدھا سگّی کے گھر چلا گیا۔

سگّی گاؤں کی ایک فاحشہ عورت تھی۔ اس کا اصلی نام تو ساجدہ بیگم تھا لیکن اس کے پڑوسیوں کو یہ نام کچھ اچھا نہیں لگا تو انہوں نے ساجدہ بیگم کے بدلے اسے سگی کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ اس طرح پورے گاؤں میں ساجدہ بیگم سگی کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ سگی کی شادی اس کے ماں باپ نے ایک بوڑھے قد کے آدمی سے کر دی تھی جو نہ دیکھنے میں خوبصورت تھا اور نہ ہی چالاک بلکہ سگی کا برائے نام شوہر تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جب کہ سگی انتہائی درجے کی خوبصورت عورت تھی شادی کے تین ہی ماہ بعد گاؤں کے اوباش مرد (جن میں چراغ دین بھی شامل تھا) سگی کے گھر کے اردگرد یوں منڈلانے لگے تھے۔ جس طرح بھنورا پھول کے اردگرد منڈلاتا ہے۔ دھیرے دھیرے سگی نے اپنے حسن وشباب کی نمائش کے ذریعے پورے گاؤں والوں کی رگوں میں جوش وجنون کا طلاطم پیدا کردیا تھا۔ سگی کی شادی ہوئے اب پانچ برس ہو چکے تھے اور ان پانچ برسوں میں وہ کئی گھاٹوں کا پانی پی چکی تھی۔

چراغ دین جب سگی کے گھر پہنچا تو سگی گھر میں اکیلی تھی۔ اس کا گھر والا کسی کام سے شہر چلا گیا تھا سگی نے جوں ہی چراغ دین کو دیکھا تو وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور چراغ دین کو کہنے لگی۔

''اوہو! کاکا آئے۔ آیئے یہاں بیٹھ جائے۔ یہ کہتے ہوئے سگی نے کھاٹ اٹھا کر ایک طرف بچھائی اور چراغ دین اس پر بیٹھ گیا۔ چراغ دین کے چہرے سے غم وغصے کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے سگی سے پوچھا۔

''سگی! میرا ایک خاص کام کرے گی؟''

''ہاں ضرور کروں گی۔ آپ مجھے کوئی کام سونپیں اور میں نہ کروں یہ تو میرے لئے بُری بات ہوگی۔ کہئے کاکا! میرے لائق کیا کام ہے؟''

''سگی تو نے رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی پر یہ الزام لگانا ہے کہ انہوں نے تیری عصمت دری کی ہے۔ تاکہ سالے جب تک پولیس کے ہاتھوں زدوکوب نہ ہوں گے۔ تب تک ان کی عقل ٹھکانے نہیں آئے گی۔ بڑے بنے ہیں نمازی اور دین داری کے دعویدار۔ کوئی کچھ بھی کرگزرے انہیں کیا۔ انہوں نے لوگوں کو سمجھانے کا کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے کیا؟''

سگی نے کہا:

''ہاں کاکا یہ تو میرے لئے معمولی کام ہے مجھے بھی تو اس بات کا خوف ستا رہا ہے کہ اگر سبھی گاؤں والے رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی کی باتوں پر عمل کرنے لگیں تو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے دروازے پر ایک دن کوئی بھی نہیں آئے گا۔ میں مانتی ہوں۔ ان لوگوں نے اگر چہ نیکی ہی کی تبلیغ کرنا شروع کردی ہے۔ لیکن میری روٹی روزی کا بھی تو مسئلہ ہے۔''

چراغ دین خوش ہوا۔ اس نے سگی کو کہا۔

''ہاں سگی! اسی لئے تو میں تیرے پاس آیا ہوں کہ تو ہی یہ کام کرسکتی ہے۔ پتہ لگ جائے گا سالوں کو جب تیرا عزتانہ دینا پڑے گا اس لئے سگی! تو کل پولیس تھانے چلی جا اور رحمت علی اور اس کے ساتھیوں کے خلاف پرچہ کٹوا کہ انہوں نے تیری عصمت لوٹی ہے۔''

''ٹھیک ہے کاکا! میں کل ہی پولیس تھانے چلی جاؤں گی۔ آپ فکر نہ کیجئے اور دو دن کے اندر اندر رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی کو گرفتار کروالوں گی۔''

دوسرے دن سگی بن سنور کر پولیس تھانے چلی گئی اور رحمت علی اور اس کے ساتھیوں کے خلاف پرچہ کٹوایا۔ اس نے رونی صورت بنا کر تھانیدار کو جھوٹا الزام سنایا تو تھانیدار نے دوسرے ہی دن دو سپاہیوں کو اپنے ہمراہ لے کر سگی کے گاؤں کا رُخ کیا۔ سگی کے گھر پہنچ کر تھانیدار نے سپاہیوں کو یہ حکم نامہ دیا کہ وہ رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی کو فوراً میرے سامنے پیش کردیں۔ سپاہیوں نے اپنے آفیسر کے حکم کی فوری طور پر تعمیل کی اور رحمت علی اور اس کے ساتھیوں کو سگی کے گھر پر لا کر تھانیدار کے سامنے پیش کردیا۔ تھانیدار نے جب رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی کی وضع قطع دیکھی تو اسے یقین نہیں آنے لگا کہ ان تینوں افراد نے سگی کے ساتھ کوئی ناجائز فعل کیا ہو لیکن پھر بھی اس نے ان تینوں سے ایک مخصوص مرعوبیت کے انداز میں پوچھا۔

''کیا تم نے سگی کی عصمت دری کی ہے؟''

رحمت علی اور اس کے ساتھیوں نے بیک آواز جواب دیا۔

''نہیں جناب! ہم نے تو آج تک سگی کی طرف دیکھا بھی نہیں ہے اور پھر اس کی عصمت لوٹنا تو دور کی بات رہی۔ یہ سگی کی طرف سے ہم پر ایک بہت بڑا بہتان ہے سگی کو ہم اپنی بہن کی طرح سمجھتے ہیں۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھانیدار نے رحمت علی اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سگی سے پوچھا۔

''سگی! کیا یہی وہ آدمی ہیں۔ جنہوں نے تیری عصمت لوٹی ہے؟ کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ؟

سگی نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا البتہ اثبات میں سر ہلا دیا۔ تھانیدار گرج اٹھا۔

''سچ سچ بولو۔ ورنہ میں تمہاری ہڈی پسلی توڑ دوں گا۔''

تھانیدار نے زور سے ڈنڈا زمین پر مارا۔

نعمت علی نے کہا ''جناب! ہم بالکل سچے ہیں ہم نے سگی کے ساتھ کوئی برا فعل نہیں کیا ہے۔''

رحمت علی نے کہا ''حضور! آپ ایک پولیس آفیسر ہیں۔ آپ کے پاس ہتھیار اور اختیارات ہیں آپ ہم تینوں کو جان سے بھی مار سکتے ہیں اور مار دیجئے۔ لیکن ہم خدا کو حاضر ناظر رکھ کر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے سگی کے ساتھ کوئی برا کام نہیں کیا ہے آپ چاہے ہماری جان لے لیں۔ لیکن ہم سچائی پر قائم رہیں گے۔''

لیاقت علی نے بھی اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

''جناب اعلا! میں یقین سے کہتا ہوں کہ سگی کو کسی نے ہمارے خلاف بہکایا ہے آپ پورے گاؤں والوں سے ہمارے متعلق دریافت کیجئے کہ ہمارا چال چلن اور طرز فکر آج تک کیسا رہا ہے؟ ہم نے آج تک نہ تو کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا ہے اور نہ کسی کی ماں، بہن بیٹی کو بری نظر سے دیکھا ہے بلکہ لوگوں کو نیکی ہی کا راستہ دکھاتے آئے ہیں۔ اس لئے آپ یقین کیجئے کہ ہم نے سگی کی عصمت دری نہیں کی ہے۔''

تھانیدار کسی حد تک سنجیدہ آدمی تھا۔ وہ رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوا اور اس کے ضمیر نے اسے اس چیز سے منع کر دیا کہ وہ رحمت علی اور اس کے ساتھیوں کو مزید پریشان کرے لیکن ساتھ ہی اس کے ضمیر پر نفس اور شیطان نے بھی حملہ کر دیا چنانچہ اس نے کہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''چلو میں تمہیں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ ہوسکتا ہے تم تینوں اپنی جگہ سچے ہو۔ سگی کو نا معلوم کیا غلط فہمی ہوگئی ہے۔ جو تمہارے پیچھے پڑ گئی ہے۔ لیکن تم تینوں کا کیس تب تک خارج نہیں کیا جائے گا جب تک تم تین ہزار روپے ہماری فیس ادا نہ کرو گے، ورنہ میں تم تینوں کا چالان عدالت میں پیش کردوں گا اور وہاں ہزاروں روپے صرف کرنے کے بعد بھی تمہاری خلاصی نہیں ہوگی۔''

تھانیدار کی یہ باتیں سن کر رحمت علی اور اس کے ساتھی ایک دوسرے کی طرف متعجب نظروں سے دیکھنے لگے۔ دلوں میں کئی طوفان اُٹھ رہے تھے۔ لیکن ان کی زبانیں اب خاموش ہوچکی تھیں۔ تینوں کے دماغوں میں عدالت، وکیل پولیس کی مار۔ بے عزتی اور مایوسی کے کئی مناظر گھوم رہے تھے۔ رحمت علی نے دکھی انداز میں اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہاں سے سوسو کے تیس نوٹ نکال کر تھانیدار کے حوالے کردیئے۔ تھانیدار نے جونہی تین ہزار روپے حاصل کرلئے تو اس کے تیور بدل گئے اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

''اب تم تینوں اپنے گھروں کو جاسکتے ہو لیکن جانے سے پہلے سگی سے معافی مانگو۔''

رحمت علی نے جواب دیا۔ جیسا آپ کا حکم ہو جناب!'' پھر رحمت علی، نعمت علی اور لیاقت علی نے سگی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔''

''سگی ہمارے دل میں تیرے متعلق کوئی بھی برا خیال نہیں تھا۔ نہ ہے اور نہ ہوگا۔ لیکن اگر تجھے غلط فہمی ہوئی ہو یا ہمارے متعلق تجھے کسی نے بہکایا ہو تو معاف کردینا۔''

سگی تھانیدار کے قریب ہی ایک طرف بیٹھی ہوئی یوں لگ رہی تھی کہ جیسے سچ ہی اس کی عصمت دری کی گئی ہو۔ اس نے رحمت علی اور اس کے ساتھیوں کی بات کا کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ البتہ ہلکی سی مسکان اس کے لالی والے ہونٹوں پر آ گئی۔

تھانیدار نے پانچ سو روپے سگی کو عزتانہ دے دیئے اور باقی اپنی جیب میں رکھ لئے۔ معاملہ رفع دفع کردیا گیا اور رحمت علی اور اس کے ساتھی انتہائی رنجیدہ ہوکر اپنے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

تین دن کے بعد چراغ دین کے گھر کے قریب ایک زبردست بم پھٹا۔ جس سے تین فوجی اپنی گاڑی کے سمیت ہلاک ہو گئے۔ چراغ دین کو اس سلسلے میں مشکوک پایا گیا۔ اس لئے پولیس اور فوجیوں نے اُسے اتنا زیادہ پیٹا کہ اس کے بچنے کی امید بہت کم رہی۔ اس کی دکان اور گھر کے دروازے پر تالے پڑ گئے اور اس کا تمام اہل وعیال پولیس کے شکنجے میں آ گیا۔ لیکن سگی ہر مقام پر دندناتی پھرتی رہی اور پھر یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ رام پرکاش کے دفتر کا ہیڈ کلرک سبھاش چندر کافی طاقتور اور بہادر ہے اس کی توند دیکھ کر کبھی کبھی وہ بھی اس سے ڈر جاتا ہے۔ ایک دن جب رام پرکاش نے اس سے سگی کے بارے میں پوچھا تو اس نے فوراً اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے اور کہنے لگا۔

''صاحب جی! توبہ! خدا ہر کسی کو سگی سے بچائے۔''

رام پرکاش بے ساختہ ہنس پڑا۔ اس نے پوچھا۔ سبھاش! تو سگی سے اتنا کیوں ڈرتا ہے؟ سگی تو عورت ہے جسے صنف نازک کہا گیا ہے اور تو اتنا بڑا سانڈ ہو کر بھی ایک معمولی عورت سے ڈرتا ہے۔'' صاحب جی! بات دراصل یہ ہے کہ سگی ایک فاحشہ عورت ہے۔ میں عزت دار آدمی۔ عزت کا بھوکا ہوں۔ اس لئے میں اپنی عزت پر کوئی بھی داغ لگوانا نہیں چاہتا۔ آپ یقین کیجئے میں سانپ، بچھو اور کسی بھی وحشی درندے سے نہیں ڈرتا ہوں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی با اسلحہ آدمی مجھے مارنے کے لئے آ جائے تو سینہ تان کے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔ لیکن جونہی مجھے سگی کہیں دُور سے نظر آتی ہے تو ڈر و خوف کے مارے میرا سارا وجود کانپ اٹھتا ہے۔ میں سگی کی نظر اپنے اوپر پڑنے نہیں دیتا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ سگی نے رحمت علی نعمت علی اور لیاقت علی پر جھوٹا الزام لگا کر انہیں رسوا کر دیا تھا۔''

جب رام پرکاش ایک بار پھر زور سے ہنس پڑا تو سبھاش چندر اس کے ٹیبل پر سے فائلیں اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رام پرکاش کے خیال میں سگی ناپاک ذہنوں، خواہشوں، امنگوں اور بری حرکتوں کی دین ہے۔ جو بنیادی طور پر بالکل بے قصور ہے۔ کیونکہ جس طرح سگی کا نام بگاڑنے میں اس کا اپنا کوئی رول نہیں ہے۔ اسی طرح وہ جس پیشے کو اپنا چکی ہے۔ اس میں بھی اس کا اپنا کوئی رول نہیں ہے۔ یہ سارا قصور سماج و معاشرے میں پروان چڑھے، چوروں، بدمعاشوں اور بے دین لوگوں کا ہے اور پھر ان لوگوں کا بھی جو اپنی اولاد کو اپنے ہی ہاتھوں رسم و رواج کی نذر کر دیتے ہیں۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

افراتفری میں کھڑا آدمی

نظر محمد اور چودھری امانت حسین بچپن سے دوست تھے۔ دونوں بچپن اور جوانی کی سرحدوں کو پار کر کے اب ایک ایسے لق ودق صحرا میں کھڑے تھے جہاں انسان زیادہ تر تنہا رہ جاتا ہے اور دوسرے کے سہارے کا متمنی ہوتا ہے۔ دونوں اب ساٹھ کے پیٹے میں داخل ہو چکے تھے مگر بچپن جو انسان کی زندگی کا وہ اسٹیج ہوتا ہے جسے بے فکری، مستانگی اور معصومیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی یادوں کے نقوش اب تک ان کے ذہنوں میں محفوظ تھے۔

نظر محمد اور امانت حسین کا تعلیمی سفر تو ایک ساتھ شروع ہوا تھا مگر دسویں کے بعد امانت حسین نے تعلیم ترک کر دی اور تجارت کے پیشے سے منسلک ہو گئے جب کہ نظر محمد نے اپنے والدین کے اصرار پر ایک دینی مدرسے میں داخلہ لے لیا تھا، جہاں انہوں نے تقریباً تین سال کے عرصے میں قرآن حکیم، مشکوٰۃ شریف، صحیح مسلم، بخاری شریف، ترمذی شریف اور ابن ماجہ جیسی مستند حدیث کی کتابوں کے علاوہ اسلامی تہذیب وشرعی مسائل کے بارے میں کافی معلومات حاصل کی تھی جب کہ ان کے دوست امانت حسین نے تجارت کے تمام گُر سیکھ لئے تھے ان کا اپنا فروٹ کا کاروبار تھا جس میں انہوں نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر لی تھی۔ اب دونوں دوستوں کی جوانیاں شادی کا تقاضا کر رہی تھیں۔ نظر محمد کی شادی نزاکت جہاں سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور امانت حسین کی شادی لطافت بیگم سے ہوگئی تھی دونوں لڑکیاں خوبصورتی اور خوب سیرتی کا نمونہ تھیں۔ پھر چند برسوں میں نظر محمد دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کا باپ بن گیا تھا اور امانت حسین بھی ایک بیٹی اور دو بیٹوں کا باپ بن گیا تھا، دانشوروں کا قول ہے کہ ''اولاد کی پیدائش والدین کی جوانیوں کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔'' نظر محمد اور امانت حسین کو شادی اور بچّے ہونے کے بعد اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان کے پاؤں میں کسی نے بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ آئے دن بیوی بچّوں کی فرمائشیں، ان کی بہتر تعلیم و تربیت کی فکر ان کو پریشان کر دیتی تھی۔ اب ان کی جوانیاں مسائل حیات کو سلجھانے اور خوب سے خوب تر کی جستجو میں اس طرح بیت رہی تھیں کہ انہیں پتا ہی نہ چلا کہ جوانی کدھر سے آئی اور کدھر چلی گئی۔

امانت حسین کا بڑا بیٹا محمد اعظم کمپیوٹر انجینئر کی ٹریننگ سے فارغ ہو کر ایک کمپنی میں ملازم ہو گیا تھا۔ چھوٹا بیٹا بارہویں میں پڑھ رہا تھا اور بیٹی دسویں میں جہاں تک نظر محمد کے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کا تعلق تھا وہ بھی پڑھنے لکھنے میں مصروف تھے اور ان کا بڑا بیٹا سماعت احمد بی، ایس سی کر چکا تھا اور چھوٹا بیٹا بی اے پارٹ فسٹ میں پڑھ رہا تھا۔ ان کی بڑی بیٹی نویں میں اور چھوٹی ساتویں میں پڑھ رہی تھی، مگر نظر محمد نے اپنی اولاد کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دی تھی۔ وہ چونکہ خود صوم وصلوٰۃ کے پابند اور شرعی احکامات سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بھی صوم وصلوٰۃ کا پابند بنا دیا تھا۔

آج امانت حسین کے بڑے بیٹے اعظم کی شادی تھی۔ امانت حسین نے اپنے بیٹے کی شادی کا دعوت نامہ خود نظر محمد کے گھر پر آ کر ہی دیا تھا اور تاکید کی تھی کہ وہ بمعہ عیال شادی میں شریک ہو۔ نظر محمد نے سفید ململ کا کڑھائی دار کرتا پائجامہ کے اوپر برف جیسی سفید اچکن زیب تن کی، ادھ سیاہ بالوں اور چھدری ڈاڑھی میں خوشبودار تیل لگایا اور قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر آنکھوں میں بریلی کا سرمہ لگایا، پورے وجود پر ''جنت الفردوس'' نام کا عطر چھڑکنے کے بعد چند لمحوں تک آئینے میں اپنی وضع

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قطع کا جائزہ لیتے رہے۔ اس وقت انہیں یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی اپنی شادی کے دن لوٹ آئے ہوں۔ انہیں دیر تک اپنی زندگی کے کئی بھولے بسرے دن یاد آنے لگے، بچپن اور جوانی کے وہ دن کس قدر رنگین اور پر کیف تھے جب انہیں کسی بات کی فکر نہ کسی چیز کا غم تھا، مگر اب انہیں اپنا آپ ایک بوجھ سا معلوم ہو رہا تھا۔ دل میں بار بار یہ خیال ابھر رہا تھا کہ آخر کہاں گئے وہ بے فکری کے دن! نظر محمد ماضی کی انہی بھول بھلیوں میں کھوئے ہوئے تھے کہ اسی دوران ان کے کانوں میں ان کی بیوی کی آواز پڑی نزاکت جہاں نے پوچھا۔

''آپ تیار ہوئے کہ نہیں؟ میرا خیال ہے آپ تھوڑا سا کھانا کھا کے نکلیں کیا معلوم آگے شادی میں کب کھانا ملے، یوں بھی کہاوت ہے نا کہ گھر سے کھا کے جاؤ تو آگے بھی ملتا ہے۔''

نظر محمد نے جھنجھلاتے ہوئے کہا ''اری میں تو تیار ہو چکا ہوں، کیسی عجیب بات کر رہی ہو۔ میرے دوست کے بیٹے کی شادی ہو اور مجھے کھانا نہ ملے!''

نظر محمد نے جھلمل کرتی خوبصورت رکابی پاؤں میں پہنی اور ایک بار پھر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ تب ان کے دل کے کسی گوشے سے یہ آواز آئی کہ آئینہ جھوٹ نہیں بولتا ہے کھرا اور کھوٹا سب کچھ دکھا دیتا ہے۔ وہ سوچتے سوچتے اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا کے تمام مذاہب، فلسفے اور علوم وفنون انسان کو آئینہ بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں پھر انہوں نے دل ہی دل میں یہ تمنا کی کہ کاش انسان کا دل ودماغ ہر کام میں اور ہر گام پہ آئینے کی طرح صاف وشفاف رہتا تو اس کی زندگی میں امن وچین ہوتا۔ وہ آئینے کے سامنے یہی باتیں سوچ رہے تھے کہ دفعتاً ان کی بیوی ڈریسنگ روم میں داخل ہو گئی بیوی نے انہیں دیکھا تو مسکراتی ہوئی بولی۔

''اچھا یہ بناؤ سنگھار ہو رہا تھا۔''

نظر محمد بھی ہنس پڑے اور بیوی سے پوچھا۔

''بتاؤ کیسا لگ رہا ہوں؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بیوی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''لگتا ہے لوگ دُلہے کو کم اور آپ کو زیادہ دیکھیں گے۔''

''اچھا اب تم نے بھی مذاق کرنا سیکھ لیا ہے'' نذر محمد نے کہا۔

''ہاں سچ کہہ رہی ہوں آج بہت خوبصورت لگ رہے ہو مگر ایک چیز کی کمی محسوس کر رہی ہوں وہ یہ کہ سر اور ڈاڑھی کے آدھے سے زیادہ سفید بال مجھے کھٹک رہے ہیں ان میں کالی مہندی لگائی ہوتی تو بالکل ۲۱ سال کے نوجوان دکھائی دیتے!''

''یعنی تم یہ چاہتی ہو کہ میں اصلیت کو چھپاؤں، یاد رکھو جب تک دنیا میں سچ ختم نہیں ہو، جھوٹ نہیں بولوں گا اور جب تک دنیا میں حلال ختم نہیں ہوگا حرام نہیں کھاؤں گا۔''

نزاکت جہاں خاموش رہی اور نظر محمد نے گھر سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو میں چلا، شام تک لوٹ آؤں گا۔''

آج وہ بڑے جوش و ولولے کے ساتھ اپنے گہرے دوست کے بڑے بیٹے کی شادی میں جا رہے تھے۔ انہوں نے سڑک پار کرنے کے بعد ایک دکان سے رنگین لفافہ خریدا اور سو سو کے کرارے پانچ نوٹ اس میں رکھے باہر سے لفافے پر اپنا نام لکھا، لفافہ جیب میں رکھا اور چل دیئے۔ چلتے چلتے تقریباً دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جب نظر محمد، امانت حسین کے گھر پہنچے تو وہاں کا ماحول دیکھ کر وہ کافی رنجیدہ ہوئے۔ لوگوں کا ہجوم پورے گھر کو گھیرے ہوئے تھا۔ بینڈ باجے کی دھن پر کئی لوگ ناچ رہے تھے عورتیں اور جوان لڑکیاں بے پردہ دندناتی پھر رہی تھیں۔ نظر محمد بڑی مشکل سے اپنے دوست امانت حسین کے پاس پہنچے وہ ایک الگ کمرے میں بیٹھے تھے۔ امانت حسین نے نظر محمد کو دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور پُر تپاک طور پر دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ نظر محمد نے امانت حسین کو کہا۔

''تجھے میری طرف سے سُسر بننے کی بہت بہت مبارک!''

''یار! برات میں کیوں نہیں آیا؟'' امانت حسین نے پوچھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''براتوں میں کم ہی جاتا ہوں۔'' نظر محمد نے جواب دیا۔

''امانت.....! یار میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں، مجھے تو یہ قطعی امید نہ تھی کہ تو اپنے بیٹے کی شادی اس طرح کرے گا۔ میری آنکھیں تو یہاں رقص ابلیس دیکھ رہی ہیں!''

امانت حسین نے نظر محمد کی پرشکوہ باتیں سنیں اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہنے لگے۔

''یار! بڑا دکھی ہوا ہوں۔ میں نے اپنے بیٹیوں کو بہت سمجھایا کہ شادی عین شریعت کے مطابق ہوگی۔ بینڈ باجا اور ناچ گانا بالکل نہیں ہوگا مگر دونوں بیٹے یہاں تک کہ میری بیٹی بھی اس بات پر اڑ گئی بولی۔

''ابّا! بڑے بھیا کی شادی ہے شادی، کوئی غمی کی بات نہیں ہے باجا ہر حال میں بجے گا۔''

دونوں بیٹوں کو بہت منع کیا، انہیں سمجھانے بیٹھا تو آگے سے بولے۔

''ابّا! آپ دقیانوسی خیال کے آدمی ہیں، انسان چاند پر جا پہنچا، پوری دنیا میں کتنی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اور آپ ہیں کہ شریعت کی رَٹ لگائے بیٹھے ہیں۔ شادی اور غمی میں کچھ امتیاز بھی چاہئے کہ نہیں اور پھر آپ کو یہ بھی احساس نہیں کہ ہمارے دوست احباب، رشتے دار اور خاندان کے لوگ بینڈ باجے کے بغیر کتنی بے رونقی محسوس کریں گے۔ یاد رکھئے سبھی واپس اپنے گھروں کو بھاگ جائیں گے۔''

''نظر محمد! یار افسوس تو اس بات کا ہے کہ میری اپنی اولاد ہی میرے قابو میں نہیں دوسروں کو کیا نصیحت کروں!''

نظر محمد نے کہا ''یار! پورا معاشرتی نظام ہی بگڑ چکا ہے تمام انسانی قدریں مسمار ہو رہی ہیں۔ ''عورت'' پردے کا نام ہے یعنی ایسی چیز جسے چھپایا جائے۔ مگر اب تم دیکھ رہے ہو فلمی دنیا اور میڈیا نے اسے عریاں کر دیا ہے۔ کونسی چیز ہے جس پہ عورت کی تصویر نہیں ہے۔ عورت کا استحصال صدیوں سے ہو رہا ہے۔ مرد نے اسے آج تک کتنا بیچا ہے اور اب تک کس کس طرح سے بیچ رہا ہے یہ تو تم بھی جانتے ہو اور ایک عجیب

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بات بتاؤں؟

''بھلا کیا؟'' امانت حسین نے حیران ہو کر پوچھا۔

نظر محمد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''یار! اصل میں اکیسویں صدی کی عورت، عورت رہنا نہیں چاہتی اور مرد، مرد نہیں رہنا چاہتا۔ دونوں اپنی صنفی شناخت بدلنے کے متمنی ہیں تم دیکھ نہیں رہے ہو کئی مردوں نے عورتوں کی طرح بال بڑھا لئے ہیں اور بہت سی عورتوں نے اپنی لمبی گھنیری سیاہ زلفوں کو کتنی بے دردی سے کٹوا کے رکھ دیا ہے اور وہی عورتیں جب اوپر سے زین کی پینٹ اور بوشرٹ پہن کے چلتی ہیں تو تیرے میرے جیسے سیدھے سادے تو کیا بڑے بڑے فارورڈ لوگ بھی انہیں پہلی اور دوسری نظر میں مرد سمجھ بیٹھتے ہیں۔''

''ارے یار تو سچ کہہ رہا ہے'' امانت حسین نے تصدیق کی۔

نظر محمد نے کہا ''اور سن لے ہماری تمام علمی و ادبی دانش گاہیں اور ہماری تفریح گاہیں عیاشی کا اڈا بن رہی ہیں۔ ٹی وی اور موبائل فون نے نئی نسل کو آزادانہ جنسی اختلاط کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ مگر میرے دوست ایک بات یاد رکھنا جو زہر کھائے گا وہی مرے گا اور پھر یہ بات بھی تو یاد رکھنے کی ہے کہ ہیرا گندگی میں بھی چمکتا ہے۔ اس لئے تُو اپنی اولاد سے مایوس نہ ہو ہمارا کام نیکی کرنا ہے۔ بدی خود بخود دور ہو جائے گی۔ بھلا روشنی کے آگے اندھیرا ٹک سکا ہے کیا؟ اور تجھے بھگت کبیر کا یہ دوہا بھی تو یاد ہوگا۔

کبیرا تری جھونپڑی گلکٹین کے پاس
جو کرن گے سو بھرن گے تو کیوں ہوتا اداس

''یار تیری اچھی باتیں سن کر میرے دل کا بوجھ کچھ ہلکا سا ہو گیا۔ اچھا اب تو اٹھ اور کھانا بالکل تیار ہو چکا ہے کھانا کھا لے۔''

نظر محمد نے آہستہ سے لفافہ جیب سے نکالا اور مٹھی میں دبا کر امانت حسین کے ہاتھ پہ رکھا۔

''یہ کیا ہے؟'' امانت نے پوچھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نظر محمد نے کہا ''جو کچھ بھی ہے تو رکھ لے۔''

''نہیں نہیں یہ نہیں ہوگا۔ اس رواج کو بھی اب ہم نے توڑنا چاہئے۔''

امانت حسین نے لینے سے انکار کیا مگر نظر محمد کھانا کھانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اوپر مکان کی چھت پر آئے جہاں شامیانہ لگا ہوا تھا۔ ایک طرف ترتیب سے بڑے میزوں پر کھانا لگایا جا رہا تھا۔ کھانے میں روغن جوش، روسٹ مرغا، کباب، کوفتہ، نان اور اسپیشل چاول شامل تھا۔ جس سے سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ طرح طرح کی کھٹی میٹھی اور نمکین چیزیں بھی تیار کر دی گئی تھیں تا کہ کھانا کھانے کے بعد ان کا بھی ذائقہ چکھا جائے۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے اور جوان سبھی طرح کے لوگ کھانا کھانے کے لئے بے تاب تھے۔ مگر ابھی تھوڑی سی کسر باقی تھی۔ بینڈ باجے والے بجاتے بجاتے جب تھک گئے تو انہوں نے بجانا بند کر دیا کہ اس کے فوراً بعد ٹیپ آن کر دیا گیا۔ ڈیک کی آواز اونچی کر دی گئی اور بیک وقت کالج اور یونیورسٹی کے لڑکوں اور لڑکیوں نے ایک فحش پنجابی گانے کی دھن پر ناچنا شروع کر دیا۔ گانے کے بول تھے۔

میرا پیر سر کدا جندا اج میں ٹھیکے دی پتی

اب نظر محمد کی آنکھوں کے سامنے فزیالوجی کا باب کھل چکا تھا۔ وہ نہ آنکھیں اور کان بند کر سکتے تھے اور نہ ہی انہیں وہاں سے بھاگنے کی راہ دکھائی دے رہی تھی۔ ادھر ان کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ کھانے کی طرف بار بار نظر اٹھتی تو منہ میں پانی بھر آتا۔ غرضیکہ ایک عجیب قسم کی کشمکش میں گرفتار تھے۔

دیر تک یہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ناچتے ناچتے پسینے سے شرابور ہوئے۔ ناچ گانا بند ہوا تو لوگوں کا ہجوم کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ بدنظمی اور بداخلاقی کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ بوڑھے اور بچے پیچھے دھکیل دیئے جاتے اور مشٹنڈے آگے آ جاتے۔ عورتیں اور مرد سبھی ایک ساتھ کھڑے دھکے پہ دھکا لگ رہا تھا۔ نظر محمد نے بھی کھانا لینے کے لئے پلیٹ ہاتھ میں لی اور آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے تھے کہ ان کے آگے اور پیچھے عورتیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آ کر کھڑی ہوگئیں۔ اب شانے سے شانہ چھلنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں خدا سے دعا کرنے لگے ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عورت کے فتنے اور قبر کے عذاب سے!''

لوگ کھڑے کھڑے کھانا کھا رہے تھے، کھڑے کھڑے پانی پی رہے تھے، باتیں کر رہے تھے، ہنس رہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ گویا آج کے ترقی یافتہ انسان نے کھڑے کھڑے کھانا پینا جانوروں سے سیکھ لیا ہے۔ نظر محمد اندر ہی اندر کڑھ رہے تھے اور ملامت کر رہے تھے کہ انگریز کم بخت تو ہندوستان سے چلا گیا ہے مگر ہندوستانیوں کو اس نے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے وہ تشویش میں پڑ گئے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ آنے والے وقت میں انسان بول و براز اور..... بھی کھڑے کھڑے ہی کرنے لگے! وہ ابھی یہی سوچتے ہوئے کھانا لینے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک کوئی چھ فٹ لمبا نوجوان ان سے آن ٹکرایا۔ اس کے ہاتھ سے چاول اور سالن سے بھری پلیٹ چھوٹ گئی اور پوری کی پوری نظر محمد کی برف جیسی سفید اچکن پر پڑ گئی اور چشم زدن میں ان کا پیرہن رنگینیوں میں بدل گیا۔ انہیں یوں لگا کہ جیسے کسی نے گرم گرم لوہا ان کی چھاتی پہ رکھ دیا ہو۔ قدرت نے انہیں صبر جمیل عطا نہ کیا ہوتا تو ضرور لڑ پڑتے مگر انہوں نے آہستہ سے خالی پلیٹ واپس اسی جگہ پہ رکھی جہاں سے انہوں نے وہ کھانا لینے کے لئے اٹھائی تھی اور چپکے سے سڑک پر چلے آئے۔ اپنی اچکن اتاری اس کی تہہ کی اور بغل میں دبائے اپنے گھر پہنچے۔

سانجھ ڈھل چکی تھی۔ نزاکت جہاں نے رات کا کھانا تیار کر دیا تھا۔ نظر محمد تھک ہار چکے تھے۔ بھوک نے ان کا برا حال کر دیا تھا۔ جاتے ہی بیوی سے کہا۔

''کھانا کھلاؤ اور میری یہ اچکن ابھی دھولو۔''

نزاکت جہاں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیوں.....؟ بڑے چاؤ سے اپنے گہرے دوست کے بیٹے کی شادی میں گئے تھے اور بھوک بھوک کہہ رہے ہو۔ میں اس وقت کہہ رہی تھی نا کہ کچھ کھا کے جاؤ مگر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میری بات پر آپ نے کوئی دھیان نہیں دیا تھا اب آئی نا میری بات کی قدر۔'' نظر محمد نے ایک شکست خوردہ سپاہی کی طرح سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔

''نزاکت جہاں ! تم نے سچ کہا تھا، اب آئندہ کبھی بھی ایسی حماقت نہیں کروں گا۔ مگر خدا کی بندی کھانا تو کھلا دو۔!!''

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چور

شدید گرمی سے سارا شہر سلگ رہا تھا۔ پرندے گرمی کی شدت سے چھتنا ور درختوں پر بیٹھے ہوئے بھی اپنی چونچ اور پَر کھولے ہوئے تھے۔ چھوٹی بڑی گاڑیوں پر سوار سبھی مُسافر پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے خدا نے روزِ محشر کی یاد دھانی کے لئے دھرتی کو کافی گرما دیا ہو۔ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر گرمی کے باعث گھٹن، اضطراب اور بے ہوشی سی محسوس کر رہا تھا۔ اسی صورتِ حال میں غلام نبی نے رامانند ہوٹل میں لیٹے لیٹے گھڑی پر نظر ڈالی تو دن کے چار پانچ چکے تھے۔ وہ اٹھے اور نہا دھو کر نیا پٹھانی سوٹ زیب تن کیا اور اپنی ریلوے ٹکٹ نکال کر پڑھنے لگے۔

''ٹرین نمبر 2440، ایس تھری، سیٹ نمبر 54، گجرات، نظام الدین نئی دہلی، 23 پی ایم'' انہوں نے ہاتھ میں بریف کیس اُٹھایا۔ اور رامانند ہوٹل کے منیجر کو بل ادا کر کے باہر آ گئے۔

باہر رکشے والا کھڑا تھا۔ انہوں نے اُس سے پوچھا۔

''ارے بھائی! ریلوے اسٹیشن تک کتنے دام لوگے؟''

''پچاس روپے دے دیجئے صاحب! آیئے بیٹھ جایئے۔'' رکشا والے نے کہا

غلام نبی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

پچاس روپے! ریلوے اسٹیشن تو یہاں سے دُور نہیں ہے۔ چلو تیس روپے دے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دوں گا۔"

رکشے والا مان گیا اُس نے کہا "بیٹھ جایئے۔"

کچھ ہی منٹوں کے بعد غلام نبی ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ریلوے اسٹیشن پر مرد، عورتیں، بچّے بوڑھے، نوجوان کچھ کھڑے، کچھ لیٹے، کچھ بیٹھے اور کچھ چلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ہر ایک پلیٹ فارم پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ شور وغل سے کانوں کے پردوں میں جھنجھناہٹ سی پیدا ہو جاتی۔ سبزی فروش، پھل فروش اور سامان بردار لوگ اس شور میں ایک اہم رول ادا کر رہے تھے۔ غلام نبی لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے جونہی ریلوے اسٹیشن کے گیٹ پر پہنچے تو ایک سپاہی نے انہیں فوراً روک لیا اور کہا۔

"اپنا سامان چک کرایئے۔"

"جی ہاں یہ دیکھ لیجئے۔" غلام نبی نے اپنا بریف کیس کھول کر سپاہی کے سامنے رکھ دیا۔ سپاہی کا ہاتھ بریف کیس میں پڑے رسائل، اہم کاغذات، ٹوتھ پیسٹ، بُرش، صابن کیس اور نائٹ سوٹ پر سرکتا رہا۔ پھر سپاہی نے کہا۔ "بس بند کر دیجئے۔"

پھر اس نے غلام نبی کے پورے بدن پر مشین سے چیک کیا اور پوری تسلی کے بعد انہیں کہا "چلئے۔"

غلام نبی نے اندر جاتے ہی پوچھ تاچھ والے کمرے کے ملازمین سے پوچھا "بھائی صاحب! ریل گاڑی نمبر 2440 کس پلیٹ فارم پر آ لگے گی؟"

"پلیٹ فارم نمبر 2 پر" ایک بڑی توند والے نے جواب دیا۔ اتنے میں غلام نبی کی نظر ریلوے نظام الاوقات چارٹ پر پڑی۔ "گجرات سے نظام الدین نئی دہلی، پلیٹ فارم نمبر 2۔"

(ریلوے نظام الاوقات چارٹ پڑھنے کے بعد غلام نبی پلیٹ فارم نمبر دو پر چلے گئے۔ پلیٹ فارم نمبر دو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا پڑا تھا۔ مرد کچھ لیٹے اور کچھ بیٹھے اپنے اپنے دوست، ساتھیوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے اور شوخ وچنچل حسینائیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کچھ انگریزی اور کچھ ہندوستانی لباس میں ملبوس ادھیڑ عمر کی عورتوں کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ ریل گاڑیوں کے انجنوں کی گڑگڑاہٹ اور اُن کی پائپوں سے نکلتا ہوا دھواں پورے ماحول کو آلودہ کر رہا تھا۔ غلام نبی پلیٹ فارم نمبر دو کے وسط میں ایک اخبار نیچے بچھا کر بیٹھ گئے۔

دیکھتے دیکھتے شام کی سرمئی چادر پھیلتی چلی گئی۔ چاروں طرف بجلی کی ٹیوب لائٹیس جلنے لگیں۔ مچھروں نے اپنا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ غلام نبی دن بھر کی تھکاوٹ سے اُونگھ رہے تھے کہ اچانک ان کے کانوں میں لوڈ اسپیکر کی آواز پڑی۔

''کرپیا دھیان دیجئے۔ جے پور سے دہلی جانے والی پوجا ایکسپریس دو گھنٹے لیٹ آ رہی ہے۔'' غلام نبی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سامان کے قریب ہی ادھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ چند منٹ ٹہلنے کے بعد وہ پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے جیب سے رُومال نکالا اور پسینہ پونچھنے لگے کہ اتنے میں ایک شخص چھوٹا سا بیگ کندھے سے لٹکائے اُن کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور پوچھنے لگا۔

''خان صاحب! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''میں بھائی دہلی جا رہا ہوں، آپ کہاں سے آئے اور کدھر جا رہے ہیں؟'' غلام نبی نے اس شخص سے پوچھا۔

''خان صاحب! میں لکھنو کا رہنے والا ہوں گجرات گیا ہوا تھا۔ اب واپس لکھنؤ جا رہا ہوں۔ میں لکھنؤ میں ایک انگریزی پریس میں کام کرتا ہوں گجرات کے موجودہ حالات کے بارے میں ایک پریس رپورٹ تیار کر رہا ہوں۔ یہ دیکھئے میرا شناختی کارڈ۔''

غلام نبی نے کارڈ ہاتھ میں لیا اور بغور اُسے پڑھنے لگے۔ ''پریس، نام ہیرالعل ،ولدیت بہاری لعل 421 ڈالی باغ لکھنؤ۔''

شناختی کارڈ پڑھنے کے بعد غلام نبی نے کارڈ لوٹاتے ہوئے ہیرالعل کی وضع قطع کا بغور جائزہ لیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بالکل کالے توّے کی مانند تھا اور دانتوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پہ پان اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے کالے اور لال رنگ کی پیٹری سی جمی ہوئی تھی۔ پتلوں اور بُوشرٹ پہنے عمر تقریباً ترپن برس سے بھی کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ سَر کے بال بالکل سیاہ تھے لیکن گردن کے اوپر والے حصے کے بال یہ ظاہر کر رہے تھے کہ متعلقہ شخص نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے خضاب لگا رکھا ہے۔ بول چال کا انداز بالکل لکھنوی، صاف ستھری، بامحاورہ اور شگفتہ وشیریں زبان بولتا۔ ہیرالعل، غلام نبی کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گیا اور غلام نبی سے پوچھنے لگا۔

''خان صاحب! آپ کس ڈبے میں جا رہے ہیں''؟

''تیسرے ڈبے میں'' غلام نبی نے جواب دیا۔

ہیرالعل نے پوچھا ''اس کا مطلب ہے آپ نے ریزرویشن کروایا ہے؟''

''جی ہاں'' غلام نبی نے جواب دیا۔

ہیرالعل نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''خان صاحب! میرا تو جنرل ڈبہ ہے۔ اس میں کافی بھیڑ رہتی ہے۔ مسافر سو نہیں سکتا۔ بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ چلو آپ جیسے نیک آدمی مجھے مل گئے تو اب انشاء اللہ دونوں ساتھ ہی دہلی تک سفر کریں گے۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو رات کو باری باری نیند کریں گے۔''

غلام نبی نے اپنی شرافت کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہیرا بھائی! کوئی بات نہیں آپ فکر نہ کریں ہم دونوں تیسرے ڈبے میں ہی سفر کریں گے۔ یہ جان کسی کے کام آئے تو اچھا۔''

وہ دونوں ایک دوسرے سے محوِ گفتگو تھے کہ اسی وقت چندی گڑھ سے ریل گاڑی آئی اور پلیٹ فارم نمبر ۲ پر رُک گئی۔ اب پلیٹ فارم نمبر ۲ پر لوگوں کی بھیڑ میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسی ریل گاڑی کے ایک ڈبے سے ہیجڑوں کی ایک ٹولی بھی پلیٹ فارم پر اُتری۔ بالکل مردوں جیسی شکل وصورت، خوبصورت ساڑھیاں پہنے، ہونٹوں پہ مصنوعی لال رنگ، پاؤں میں پائل، اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے لیکن ان کے چہروں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے مردانگی کے آثار نمایاں تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی حجامت کر کے آئے ہوں۔ غلام نبی کے لئے یہ حیران کن لوگ تھے۔ اس لئے انہوں نے ہیرالعل سے پوچھا۔

''ہیرا بھائی! یہ کون سی مخلوق ہے؟ لباس تو ان کا عورتوں جیسا ہے اور چہرے سے بالکل مرد دکھائی دیتے ہیں! آخر ان کو کس زمرے میں رکھا جائے؟''

ہیرالعل ہنس پڑا اور پھر اُس نے جواب دیا۔

''قبلہ! یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر تذکیر و تانیث کا قاعدہ صادق نہیں آتا۔ ان میں مرد و زن کی مشترکہ علامات پائی جاتی ہیں۔ دیکھئے اب انہوں نے ہمیں ہنستا دیکھ کر تالیاں پیٹنا شروع کر دیں۔''

غلام نبی نے پوچھا ''یہ تالیاں کیوں پیٹتے ہیں؟''

ہیرالعل نے جواب دیا ''یہ ان کا وہ مخصوص انداز ہے جس سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ہیجڑے ہیں۔ روپے مانگنا، ہر جگہ گھومنا پھرنا اور تالیاں پیٹنا ان کے طور طریقے میں شامل ہے۔''

غلام نبی کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔

''یا اللہ! کیسے انوکھے کھیل ہیں تیرے'' پھر انہوں نے ہیرالعل سے کہا۔

''ہیرا بھائی! شکر ہے اُس اللہ کا جس نے ہمیں ہیجڑا نہیں بنایا۔ ورنہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا۔''

''خان صاحب! یہ دنیا رنگ برنگی ہے۔ ذرا اُدھر بھی دیکھئے چند آوارہ چھوکرے اُس شوخ حسینہ کے اِرد گرد کتنی بے تابی سے منڈلا رہے ہیں۔ میرا دل اندر ہی اندر پھٹن سی محسوس کرتا ہے جب سماج میں جرائم کو پنپتا ہوا دیکھتا ہوں۔ آپ یقین کیجئے ہم اس دَور میں جی رہے ہیں جس میں عزت و عصمت نیلام ہوتی ہے۔ کئی مرد اپنی بیوی کے علاوہ پرائی بیوی سے تعلق قائم کرتے ہیں۔ اور کئی بیویاں اپنے شوہروں کے علاوہ پرائے مردوں کو اپنے دامِ فریب میں لے لیتی ہیں۔ خدا نے ایسے ہی مرد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وعورتوں کے لئے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ جس میں وہ مرنے کے بعد جلتے رہیں گے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ میں نے آج تک اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت کہیں بھی نہیں دیکھی۔ اس نے مجھے کہہ دیا ہے کہ اگر آپ نے پرائی عورت کی طرف بُری نظر سے دیکھا تو آپ کو خدا کوڑھی بنا دے گا۔''

غلام نبی! ہیرالعل کی باتیں سن کر کافی متاثر ہوئے۔ انہیں یوں معلوم ہوا کہ ہیرالعل ایک شریف النفس اور ایماندار آدمی ہے۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ اب جے پور سے نئی دہلی جانے والی ریل گاڑی کو صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ مسلسل ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر غلام نبی اکتاہٹ سی محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہیرالعل کو کہا۔

''ہیرا بھائی! ہمیں پوچھ تاچھ والے کمرے کے ملازمین سے اپنی ریل گاڑی کے آنے اور پلیٹ فارم نمبر کے بارے میں پوچھ لینا چاہئے۔ میں پانی بھی پینا چاہتا ہوں کیونکہ پیاس کی شدت سے میری زبان سوکھ رہی ہے۔''

ہیرالعل نے جواب دیا۔

''خان صاحب! آپ اطمینان رکھیں گیارہ بجے یہاں سے دہلی جانے والی ٹرین اسی پلیٹ فارم پر آئے گی۔ آپ نہ گھبرائیں۔ آپ نے پانی پینا ہے تو چلئے پانی پلا لیتا ہوں۔''

پھر وہ دونوں اپنے سامان کے سمیت اُٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد اُن کی نظر ایک اسٹال پر ٹھنڈے صاف پانی کی چند بوتلوں پر پڑی تو ہیرالعل نے غلام نبی کو کہا۔

''خان صاحب! خرید لیجئے پانی کی ایک بوتل آپ کو آگے کام آئے گی۔''

غلام نبی نے ہیرالعل کے اصرار پر پندرہ روپے میں ٹھنڈے پانی سے بھری ایک بوتل خرید لی۔ دونوں باری باری دیر تک پانی پیتے رہے۔ غلام نبی نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اُن کی زبان سے ایک آہ نکل گئی۔ انہوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نے ایک بار پھر ہیرالعل کو کہا۔

''ہیرا بھائی! گیارہ تو بج گئے ہیں۔ ابھی تک ہماری ریل گاڑی نہیں آئی۔ کیا آج لیٹ ہوگئی ہے؟''

ہیرالعل نے پھر تسلی دینا شروع کردی ''خان صاحب! بے غم رہیں ٹرین آجائے گی۔''

لیکن غلام نبی کو تسلی نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا۔

''ہیرا بھائی! ہم دونوں پوچھ تاچھ والے کمرے میں جاکر گاڑی کا پتا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں بیٹھے بیٹھے گاڑی کسی اور پلیٹ فارم پر سے چھوٹ جائے۔''

''ٹھیک ہے خان صاحب! چلئے'' ہیرالعل نے کہا اور دونوں نے اپنا اپنا سامان اٹھایا اور پوچھ تاچھ والے کمرے کے کونٹر پر کھڑے ہوکر اپنی ریل گاڑی کے بارے میں جونہی پوچھا تو اندر سے ایک لمبی لمبی مونچھوں والے نے جواب دیا ''ابھی تک کیا سوئے ہوئے تھے؟

جے پور سے نئی دہلی جانے والی ٹرین تو پلیٹ فارم ایک پر سے چلی گئی ہے۔''

یہ سنتے ہی غلام نبی کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ ہیرالعل نے بھی افسوس کیا۔ غلام نبی کو دوسو چودہ روپے کرائیے کا انتہائی دکھ ہوا۔ دونوں دیر تک پلیٹ فارم نمبر پانچ پر افسوس افسوس کہتے رہے۔ پورے ریلوے اسٹیشن پر سبھی مسافر مرد وعورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے آرام کی نیند سو رہے تھے۔ رات کے بارہ بجنے میں کچھ ہی منٹ باقی تھے۔ غلام نبی کی آنکھیں نیند کے لئے ترس رہی تھیں۔ لیکن دل میں کافی افسوس تھا۔ وہ دکھی دل سے ریلوے اسٹیشن سے باہر آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہیرالعل بھی آگیا۔ پھر انہوں نے ہیرالعل سے پوچھا۔

''ہیرا بھائی! کافی رات ہوچکی ہے اب اس وقت کہاں جائیں؟''

ہیرالعل نے جواب دیا۔

''خان صاحب! یہیں سوجاتے ہیں۔ دیکھئے بہت سے لوگ یہیں پہ سوئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔بس رات ہی گزارنی ہے۔اس وقت یہاں سے کہیں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے اور پھر آپ موجودہ حالات کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ میرے پاس ایک سُوتی چادر ہے اُسے نیچے بچھا کر دونوں سو جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' غلام نبی مان گئے۔ ہیرالعل نے چادر نیچے بچھائی اور اپنے بیگ میں سے بسکٹ کا پیکٹ نکالا اور غلام نبی کو پیش کیا۔دونوں بسکٹ کھاتے رہے۔ غلام نبی نے بریف کیس اپنے سرہانے رکھا۔

ہیرالعل نے بھی اپنے بیگ کو سر کے ساتھ ہی رکھ دیا اور لیٹ گیا لیکن غلام نبی بیٹھے ہوئے بڑے غمگین گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہیرالعل نے ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''خان صاحب! چھوڑیئے جو ہوا سو ہوا۔سو جایئے۔سویرے انشاء اللہ ڈی لکس کوچ بس پر دونوں دہلی چلے جائیں گے۔'' غلام نبی نے جواب دیا۔

''بس ابھی سو جاؤں گا۔''

ہیرالعل نے سگریٹ سلگایا اور غلام نبی کو کہا ''خان صاحب! سو جایئے کافی رات گزر چکی ہے صرف تین گھنٹے باقی رہ گئے ہیں۔سبھی سو گئے ہیں۔ذرا بات کو سمجھا کریں۔کوئی پولیس والا آپ کو بیٹھا ہوا دیکھ لے گا تو فضول میں تنگ کرے گا۔ حالات خراب ہیں اور پھر آپ کی داڑھی ٹوپی اور یہ پٹھانی سوٹ اُسے اور شک میں مبتلا کرے گا۔''

غلام نبی، ہیرالعل کے سمجھانے پر لیٹ گئے اور چند ہی لمحوں میں انہیں نیند پڑ گئی۔

سویرے جب غلام نبی کی آنکھ کھلی تو سوا سات بج چکے تھے۔چاروں طرف دھوپ لگ چکی تھی۔مسافر اپنی اپنی منزل کی طرف جا رہے تھے۔انہوں نے دیکھا کہ ہیرالعل ان کا بریف کیس، پانی کی بوتل اور چابی چُرا کے بھاگ گیا ہے۔وہ بڑی مشکل سے اوپر اُٹھے لیکن پھر بے ہوشی کی وجہ سے گر پڑے۔آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔دُور تک ادھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن ہیرالعل اور گیارہ سو روپے کا بریف کیس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہیں بھی نظر نہیں آئے! وہ اپنی جگہ سے دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک شرابی کی طرح گرتے سنبھلتے بڑی مشکل سے میٹاڈور پر سوار ہو کر بس اسٹینڈ پہنچے۔ بس پر سوار ہوئے تو انہیں لمحے لمحے بعد اپنا بریف کیس اور اس میں موجود پندرہ ہزار روپے، نیشنل بینک کی پاس بک، اپنا آئیڈنٹی کارڈ، چار سو روپے کا سوٹ، اہم کاغذات اور کئی دوسری قیمتی چیزیں یاد آنے لگیں تو دل خون کے آنسو رونے لگا۔

شام کو غلام نبی ایک مریض کی طرح اپنے گھر پہنچے۔ دھکّے لگ رہے ہیں۔ گھر کے افراد نے دیکھا تو سمجھ گئے کہ ضرور کوئی واردات ہوئی ہے۔ بیوی نے خالی ہاتھ دیکھا تو شک میں پڑ گئی کہ بریف کیس کسی کی نذر ہو گیا ہے۔ غلام نبی اندر آتے ہی بستر پر دراز ہو گئے۔ بیوی بچّے فوراً اُن کے قریب آ گئے۔ بیوی نے گھبرا کر پوچھا۔

''کیا طبیعت ناساز ہے، کیا محسوس کر رہے ہیں؟''

بخار اور بے ہوشی بہت زیادہ ہے بھوک پیاس بالکل نہیں ہے۔'' غلام نے جواب دیا۔

''لیموں والا پانی بنا کے دوں؟'' بیوی نے پوچھا۔

''ہاں پلا دیجئے۔''

غلام نبی نے لیموں کا پانی پیا۔ ذرا ہوش میں آئے تو بیوی نے پوچھا۔

''بریف کیس کہاں ہے؟''

''ایک دوست کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ بخار اور بے ہوشی کی وجہ سے ساتھ نہ لے آ سکا۔''

دو دن کے بعد غلام نبی کی بے ہوشی اور بخار میں افاقہ ہوا تو انہوں نے نیشنل بینک میں جا کر اپنے کھاتے کی نئی پاس بک بنوائی۔ بیوی نے جب نئی پاس بک دیکھی تو اُسے پورا یقین ہو گیا کہ بریف کیس کوئی چُرا لے گیا ہے پھر اس نے غلام نبی کو بڑے غصے سے پوچھا۔

''آپ نے کیا بریف کیس گم کر دیا ہے؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''نہیں'' غلام نبی نے جواب دیا۔

''سچ سچ کہئے مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

غلام نبی مسکرا اٹھے اور ان کی بیوی کا گمان یقین میں بدل گیا۔ پھر انہوں نے اپنے سفر کی پوری سرگزشت بیوی کو سنائی تو وہ رو پڑی۔ غلام نبی کی آنکھوں میں بھی آنسو اُمڈ آئے۔ پھر بیوی کہنے لگی۔

''آپ رشوت نہیں لیتے، کسی کو ستاتے بھی نہیں، ایمانداری اور نیک نیتی سے کام کرتے ہیں۔ پھر یہ ایسا کیوں ہوا؟''

غلام نبی نے جواب دیا۔

''شاید خدا کو ایسا ہی منظور تھا۔'' پھر بیوی نے پوچھا۔

''کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہے کہ ریلوے اسٹیشنوں پر بڑے بڑے ڈاکو اور چور ہوتے ہیں؟''

''علم تو ہے لیکن کسی کے ماتھے پہ تو نہیں لکھا ہوتا ہے کہ کون چور ہے اور کون شریف ہے، البتہ لکھنؤ کے اس چور نے مجھے عمر بھر کے لئے یہ سبق سکھا کے رکھ دیا کہ میں کسی پر بھی بھروسہ نہ کروں اور ہر اجنبی کو شک کی نگاہ سے دیکھوں۔''

بیوی نے کہا۔

''میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے آپ کی جان بچائی۔ اُس چور نے آپ کو نشیلی گیس سونگھوا کر بے ہوش کر کے صرف بریف کیس چرالیا ورنہ وہ تو آپ کو قتل بھی کر سکتا تھا۔'' اس بات پر غلام نبی اور اُن کی بیوی ایک بار پھر رو دیئے۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پنجرے میں مورنی

نریش چندر اٹھور محکمۂ ایکسائز میں بحیثیت انسپکٹر سبکدوش ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود وہ چالیس سال کے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔ گھنے سیاہ بال، گھٹیلا بدن، مناسب جسامت، میانہ قد، بھرے بھرے گال اور بہت حد تک پررونق چہرہ دیکھ کر کوئی بھی انہیں ریٹائرڈ آدمی ماننے کو تیار نہ تھا اور جب کسی کو ان کے بارے میں انہی کی زبانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے محکمہ سے سبکدوش ہو چکے ہیں تو سننے والے کو تعجب و افسوس ہوتا۔ دراصل نریش چند کی صحت و تندرستی کا راز اس بات میں مضمر تھا کہ انہوں نے ایکسائز محکمے میں رہتے ہوئے کبھی بھی شراب کو منہ نہیں لگایا تھا اور نہ ہی انہوں نے سگریٹ تمباکو کا بوسہ لیا تھا۔ ان چیزوں کے بدلے دیسی گھی، دودھ مکھن، پنیر، گوشت اور ہری سبزیاں کھانے کے عادی تھے۔ صبح بستر سے اٹھنے کے فوراً بعد بلا ناغہ ایک گھنٹے تک ورزش کرتے اور اس کے بعد ناشتہ کر کے دفتر چلے جاتے۔ دور دراز پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان کا گھر ایک ڈھلوان سی جگہ پہ واقع تھا جہاں بجلی، پانی اور سڑک وغیرہ کی کوئی سہولت نہ تھی ان کے گھر کے آس پاس تھوڑے تھوڑے فاصلے پہ ہریجنوں اور گوجروں کے چند گھر آباد تھے جو غریبی اور کسمپرسی کی حالت میں سانس لے رہے تھے۔ نریش چند کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں بڑے بیٹے کا نام خوشحال چند تھا۔ جو انتہائی خوبصورت تھا اور بی اے کرنے کے بعد محکمہ ڈاک و تار میں ملازم ہو گیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا چھوٹے بیٹے کا نام دھیان چند تھا جو میٹرک میں فیل ہو چکا تھا۔ وہ گھر سے تقریباً بیس کلومیٹر دور ایک قصبے میں ریڑھی چلا کر پھل اور سبزیاں فروخت کرتا تھا۔ نریش چند راٹھور کی بیوی رام دلاری کھیتی باڑی اور ڈھور ڈنگروں کی خدمت کرتے کرتے اپنا سب روپ سروپ کھو چکی تھی۔ زمین کافی تھی جسے جوتنے کے لئے منڈی سے سفید اور کالے رنگ کے دو بیل خرید لائے تھے۔ بیلوں کے علاوہ ایک جرسی گائے بھی تھی جو ایک بھینس کے برابر چارا کھاتی تھی۔ نریش چند کبھی خود اور کبھی کسی مزدور سے کھیتی باڑی کا کام کرواتے تھے۔ مکان برائے نام تین منزلہ تھا جس کی دیواریں کچی اور اپنے اندر سینکڑوں پیچ وخم رکھتی تھیں۔ مکان پہ اگرچہ المونیم کی چادریں جڑ دی گئی تھیں مگر بے ترتیب اور بے ضابطہ ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی اندر آ ٹپکتا تھا۔ گھر میں کونسی چیز کہاں پہ رہنی چاہئے اور کہاں پہ نہیں رہنی چاہئے یہ سلیقہ گھر کے کسی بھی فرد میں نہیں تھا بس کماؤ اور کھاؤ ان کا مقصد حیات بن کے رہ گیا تھا۔ ان کے گھر کے چاروں جانب املوک، آخروٹ اور بنج کے پیڑ کئی برسوں سے ایستادہ تھے۔ جن کی گھنی چھاؤں سے دن کو بھی شب کی سیاہی کا سماں معلوم ہونے لگتا۔ املوک کے پیڑوں میں جب بور آنا شروع ہوتا تو ان کے قریب سے گزرنا سخت مشکل ہو جاتا کیونکہ ان سے ایسی بدبو اٹھتی تھی کہ جیسی نجاست سے اٹھتی ہے۔

نریش چند کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ انتہائی درجے کے لالچی تھے۔ لالچ جس کے بارے میں وہ اکثر سن چکے تھے کہ ''لالچ بُری بلا ہے۔'' مگر خود ان کے اندر لالچ کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ہر اچھی بری چیز کو حاصل کرنے کی امنگ انہیں چین سے جینے نہ دیتی تھی۔ ان کی حرص کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت ننانوے کے پھیر میں رہتے تھے۔ ہر سال ہزاروں روپئے کے آخروٹ اور املوک بیچتے تھے۔ زمینداری سے آنے والی آمدنی الگ تھی۔ اپنی پینشن بینک میں جمع کروا دیتے تھے۔ اور ضرورت مندوں کو روپیہ سود پر دیتے تھے حرص کے ساتھ ساتھ اُن میں رزالت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ بے دریغ روپے خرچنا تو درکنار اہم ضرورت کے موقعے پر بھی روپے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خرچتے وقت ان کے ہاتھوں میں کپکپی سی ہونے لگتی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ''چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے۔'' کے قائل ہیں۔

نریش چندر راٹھور نے اپنے بڑے بیٹے خوشحال چند کی شادی ایک متوسط راجپوت خاندان میں کرائی تھی لڑکی دسویں تک پڑھی تھی مگر کافی سیدھی سادی اور کوئی زیادہ خوب صورت نہ تھی بس کھونٹے پہ بندھی گائے کی مانند تھی۔ جہیز میں لگ بھگ ضرورت کی ہر ایک چیز ساتھ لائی تھی۔ شادی ہوئے تقریباً چھ برس ہو گئے تھے۔ ان چھ برسوں میں اُس نے دو بچّیوں کو جنم دیا تھا۔ کافی کم زبان تھی سسر، ساس کی عزت و خدمت اس طرح کرتی تھی جس طرح ایک وفادار بیٹا اپنے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔

نریش چند اب اپنے چھوٹے بیٹے دھیان چند کی شادی شہر میں کسی امیر باپ کی بیٹی سے کروانے کے متمنی تھے کہ جہاں سے انہیں ایک تو منہ مانگا جہیز ملے اور دوسرا ان کی اپنی دو جوان بیٹیوں کے رشتوں کی کوئی صورت نکل آئے۔ کافی تگ و دو کے بعد ایک روز نریش چند کے ہم زلف وکیل سنگھ نے شہر میں دھیان چند کے رشتے کی بات کرپال سنگھ سے چھیڑی۔ کرپال سنگھ محکمۂ معدنیات میں ایک آفیسر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے چکے تھے ریٹائرڈ ہوئے ابھی دو ہی سال ہوئے تھے۔ ان کی پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ شہر کے وسط میں ان کی اپنی حویلی تھی دھن دولت کی ان کے پاس کوئی کمی نہ تھی پورے وقار کے ساتھ راجپوتانہ شان کو قائم رکھے ہوئے تھے مگر جب کبھی ان کی نظر اپنی جوان ہوتی پانچ بیٹیوں پہ پڑتی تو انہیں اپنے وجود میں ایسی جنبش معلوم ہوتی کہ جیسی زلزلے کے وقت ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو ہمت و حوصلہ دینے کے باوجود انہیں یوں محسوس ہوتا کہ ان کی اونچی حویلی مسمار ہوتی ہوئی ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا رہی ہے۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی کا نام چنچل رانی تھا۔ جو ہندی میں ایم اے کر چکی تھی کافی حسین تھی۔ بوٹا قد، گھنیری لمبی سیاہ زلفیں، جھیل سی آنکھیں، گلابی چہرہ، ستواں ناک، صراحی دار گردن، موتیوں کی طرح چمکیلے دانت، گوری باہیں، مخروطی انگلیاں، گلاب کی پنکھڑیوں ایسے ہونٹ، گدرایا ہوا بدن اور دلکش ادائیں۔ غرضیکہ وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سرتا پا قدرت کا ایک حسین شاہکار معلوم ہوتی تھی۔ جس کسی کی بھی نظر اس شاہکار پہ پڑتی تو اس کے اندر یہ تمنا مچل اٹھتی کہ وہ اسے دیکھتا ہی رہے! عمر اکیس۲۱ سال سے تجاویز کر چکی تھی۔ کرپال سنگھ اور اس کی بیوی روپ وتی سے نیند کی دیوی روٹھ چکی تھی۔ دونوں بڑی بیٹی چنچل رانی کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر میں گھلے جا رہے تھے۔ چنچل کی چھوٹی بہنیں بھی جوان ہو چکی تھیں۔ بیٹا سب سے چھوٹا تھا۔ دونوں میاں بیوی فی الحال اپنی بڑی بیٹی کے لئے کوئی مناسب رشتہ ڈھونڈ رہے تھے۔ دونوں کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ شہروں میں بیٹیوں والے ہر طرح سے پریشان رہتے ہیں اور کئی خوبصورت اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں بھی مناسب رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے بوڑھی ہو جاتی ہیں جب کہ شہروں کے برعکس دیہاتوں میں پڑھی لکھی لڑکیوں کو کافی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور پھر یوں بھی ماحولیاتی اور معاشرتی اعتبار سے دیہاتوں کی زندگی بہت حد تک پرسکون اور خوشگوار ہوتی ہے جب کہ شہری زندگی حادثوں اور ہنگاموں کی زندگی ہوتی ہے جس میں ہر قدم پہ تعفن اور گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔ گویا دونوں دیہات کی زندگی کو شہر کی زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔ یوں بھی کرپال سنگھ نے اپنی سروس کے دوران کئی دیہاتوں، اونچے پہاڑوں اور سنگلاخ چٹانوں کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔

وہ موسم بہار کی ایک سہانی اور مسرور کن شام تھی۔ مشرق سے چلنے والی پُروائی کرپال سنگھ کے وسیع لان میں کھلے موتیا، چمیلی، گلاب اور رات کی رانی کے پھولوں سے اٹھکھیلیاں کر رہی تھی۔ کرپال سنگھ اپنی بیوی روپ وتی کے سامنے کرسی پہ براجمان ایک مقامی اخبار کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک ان کی نظر ایک سنسنی خیز خبر کی سرخی پہ پڑی۔ ''سسر، ساس اور دیور کے طعنوں سے تنگ آ کر ایک عورت نے دریا میں کود کر خودکشی کر لی۔ مزید جہیز کا مطالبہ خودکشی کا باعث بنا۔''

خبر پڑھنے کے بعد کرپال سنگھ کے چہرے پہ مایوسی کے آثار اُبھر آئے عالم افسردگی میں ہی ان کی نظروں کے سامنے ان کی پانچوں بیٹیوں کے خوب صورت

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چہرے یکے بعد دیگرے اُبھرنے لگے۔ ان کے دماغ میں بار بار یہ سوال اُبھر رہا تھا۔ ''کیا آنے والے وقت میں میری بیٹیوں کو بھی اس جہیز کی لعنت کا عذاب جھیلنا پڑے گا؟'' ان سے رہا نہ گیا انہوں نے اخبار کی خبر اپنی بیوی روپ وتی کو بھی سنائی انہوں نے کہا:

''روپ وتی! اف بہت بُری خبر پڑھی۔''

''کیا بری خبر پڑھی؟'' روپ وتی نے چونک کر پوچھا۔

''یہ کہ جہیز کے لالچیوں نے کسی کی بیٹی کو زندگی سے ہاتھ دھونے پر مجبور کیا، سسر، ساس اور دیور جہیز کم لانے پر طعنے دیتے تھے اور اس بیچاری نے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔''

''ہائے رام.....! میں سوچتی ہوں آخر یہ لوگ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود اتنے مورکھ کیوں ہیں۔ کیا لڑکے والے اتنے کنگال ہوتے ہیں کہ وہ ہر ایک چیز لڑکی والوں سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو بڑے دکھ کی بات ہے کہ ایک تو اپنے جگر کا ٹکڑا کسی کے حوالے کرو اور پھر اوپر سے ہر ایک چیز دے دو۔ اے بھگوان کسی کے گھر میں بیٹیاں پیدا نہ ہوں!''

کرپال سنگھ نے کہا۔

''ان ظالموں کے خلاف سخت قانونی کارروائی ہو سکتی ہے۔''

روپ وتی جھلاّ اٹھی بولی۔

''مگر قانونی کارروائی کرے گا کون؟ پولیس خود ایسے گھناونے معاملات میں ملوث ہوتی ہے۔''

کرپال سنگھ نے روپ وتی کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

''روپ وتی! تم نے صحیح کہا۔ آج کل کے دور میں قتل کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ مجرم کو چند مہینوں کے بعد پولیس اور عدالت باعزت بری کر دیتی ہے۔ کیوں کہ قانون گواہ چاہتا ہے اور گواہی دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا اور پولیس روپئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چاہتی ہے۔ اس طرح قتل جیسا عظیم جرم پولیس اور عدالت کے ہاتھوں رفع دفع ہوجاتا ہے۔''

کرپال سنگھ اور روپ وتی کے درمیان چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی نہ جانے دونوں کن خیالوں میں کھو سے گئے تھے کہ اچانک روپ وتی بول اٹھی۔

''ہم دونوں کی عمریں ڈھل چکی ہیں، بال سفید ہو چکے ہیں اور آنکھیں جواب دینے لگی ہیں، بلڈ پریشر کا ہم دونوں پہ غلبہ ہے۔ پانچ بیٹیاں سر پر سوار ہیں جن میں سے تین شادی کے لئے بالکل تیار بیٹھی ہیں۔ آپ نے ان کے بارے میں کیا سوچا ہے مجھے کچھ بھی نہیں معلوم۔''

کرپال سنگھ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''روپ وتی! پرمیشور سب اچھا ہی کرے گا۔ تمہارے پریشان ہونے سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔''

روپ وتی نے کہا۔

''وہ دن لد گئے جب لڑکی والوں کے دروازے پر لڑکے والے رشتہ مانگنے آتے تھے۔ اب تو لڑکیوں والے خود لڑکے والوں کے گھر جاتے ہیں۔ میں آپ کو پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہہ رہی ہوں کہ اپنے کسی سجن ساتھی کے ذریعے چنچل کے لئے کوئی مناسب لڑکا دیکھ لیجئے۔''

کرپال سنگھ نے چپ سادھ لی، شام ڈھل چکی تھی۔ بیٹیوں نے کھانا تیار کر دیا تھا وہ اب ٹی وی کے سامنے بیٹھیں ڈراما'' ساس بھی کبھی بہو تھی۔'' کا آنند لے رہی تھیں۔ پانچوں بیٹیاں کافی ناز و نعم میں پروان چڑھی تھیں۔ گیراج میں کرپال سنگھ کی چمچماتی ٹاٹا سومو کے ساتھ نئے ماڈل کی دو سکوٹیاں اور ایک موٹر سائیکل اس بات کا غماز تھا کہ یہ کوئی آسودہ حال گھرانہ ہے۔ پانچوں بیٹیوں نے اپنے باپ سے ڈرائیونگ سیکھ لی تھی۔ تمام حویلی کے ہر کمرے میں جب رات کو بجلی کے قمقمے جگمگانے لگتے تو رنگ و نور کی قوس قزح کا نظارہ دیکھ سب کا دل بہل بہل جاتا۔ گھر کے اندر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تہذیب وشائستگی کا راج تھا۔

کرپال سنگھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ کھانا کھا کر اپنے مخملی بستر پر دراز ہو گئے مگر نیند ان کی آنکھوں سے اڑ چکی تھی بار بار خیالوں ہی خیالوں میں ذہن کو جھٹکتے اور کوشش کرتے کہ نیند ان پر غالب آ جائے مگر فوراً اخبار کی مایوس کن سرخی ان کے دل ودماغ میں برقی رو کی طرح دوڑ جاتی۔ اس طرح ساری رات کروٹیں بدلتے بیت گئی صبح جب وہ بستر سے اٹھے تو ان کا پورا بدن دُکھ رہا تھا۔ آج منگلوار کا دن تھا، نو بجے کے قریب وہ باہر صحن میں کرسی پہ بیٹھنے ہی والے تھے کہ اتنے میں ان کے کانوں میں کال بیل کی سریلی آواز پڑی۔ وہ اپنے محراب نما آہنی گیٹ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے گیٹ کھولا تو باہر ان کا دوست وکیل سنگھ کھڑا تھا۔

''ارے آپ! آج کہاں سے راستہ بھول گئے۔ آیئے آیئے اندر آیئے۔''

دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ کرپال سنگھ اپنے دوست وکیل سنگھ کو ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ رسمی گفتگو کے بعد کرپال سنگھ نے وکیل سنگھ سے پوچھا۔

''اچھا بولو کیا لو گے، ٹھنڈا یا گرم؟ وکیل سنگھ نے جواب دیا۔

''ٹھنڈا نہ گرم کچھ بھی نہیں پیوں گا، آپ سے ملاقات کے لئے آنکھیں ترستی تھیں سو چلا آیا۔''

''یار! تکلف برطرف'' کرپال سنگھ یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی بڑی بیٹی چنچل رانی کو آواز دیتے ہوئے رسوئی کی طرف چلے گئے کچھ وقت کے بعد ان کا خادم جوس کے گلاس ٹرے میں رکھے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ دونوں نے جوس پیا اور حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے رہے۔ اس کے بعد وکیل سنگھ نے جھجکتے ہوئے کرپال سنگھ سے پوچھا۔

''آپ نے اپنی بڑی بیٹی کے رشتے کی بات کہیں کی ہے کہ نہیں؟ اور اگر اس کا رشتہ کراؤں تو کیا آپ کو منظور ہے؟''

کرپال سنگھ کے چہرے پہ خوشی کے آثار نمودار ہوئے انہوں نے کہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''ارے ہم تو کوئی مناسب رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں اور آپ اگر ہماری مدد کریں گے تو بہت اچھا رہے گا۔ ہاں بتائیے لڑکا کیا کام کرتا ہے۔''

وکیل سنگھ نے کہا۔

''ہاں..... سنئے لڑکا دیہات کا رہنے والا ہے اور فروٹ ایجنٹ ہے، باپ ایکسائز انسپکٹر ریٹائرڈ ہوا ہے۔ دو بھائی ہیں اور دو بہنیں ہیں، بڑا لڑکا ڈاک وتار میں ملازم ہے اور شادی شدہ ہے میں سمجھتا ہوں یہ رشتہ آپ کی بڑی بیٹی کے لئے بالکل مناسب ہے۔''

کرپال سنگھ نے کہا۔

''میرے دوست! مجھے تم پہ یقین ہے کہ تم میری بیٹی کے لئے اچھا ہی سوچو گے ایسا کرو کسی روز لڑکے کے باپ کو اپنے ہمراہ یہاں پہ لے آؤ ہم انہیں دیکھ لیتے ہیں اور اس کے فوراً بعد پنڈت جی کو لڑکی اور لڑکے کی جنم کنڈلیاں دکھالیں گے۔''

وکیل سنگھ نے کہا۔

''ہاں میں لڑکے کے باپ کی ملاقات آپ سے ضرور کراؤں گا۔''

وکیل سنگھ اُٹھ کھڑا ہوا اور کرپال سنگھ سے رخصت لے کر باہر چلا آیا کرپال سنگھ نے اسے جاتے ہوئے کہہ دیا۔

''یار! خیال رکھنا یہ بوجھ سر سے جتنا جلدی اتر جائے تو اچھا۔''

وکیل سنگھ نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ دو دن کے بعد ہم آپ کے دولت کدے پر حاضر ہو جائیں گے۔''

تیسرے دن کرپال سنگھ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد لان میں پھولوں کو پانی دے رہے تھے کہ اسی دوران کال بیل کی سریلی آواز ان کے کانوں میں گونج اٹھی۔ وہ آہستہ سے گیٹ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے گیٹ کھولا تو سامنے وکیل سنگھ اپنے ہم زلف نریش چند کے ساتھ کھڑے تھے۔ کرپال سنگھ نے کافی بشاشت سے دونوں کو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گلے لگایا تو وکیل سنگھ نے نریش چند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کرپال سنگھ سے کہا۔

یہ نریش چندر اٹھور ہیں۔ میرے ہم زلف ''بہت خوب! اندر تشریف لائیے۔''

کرپال سنگھ نے کہا اور انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ نریش چند کا سڈول بدن، سیاہ گھنگھرالے بال اور سرخ چہرہ دیکھ کر پال سنگھ دیر تک محو حیرت رہ گئے وہ دل میں یہی سوچتے رہے کہ اگر لڑکے کا باپ اتنا خوب صورت ہے تو لڑکے کی خوبصورتی کا کیا عالم ہوگا۔ ادھر نریش چند کرپال سنگھ کی اونچی حویلی اور ڈرائنگ روم کی آرائش و زیبائش دیکھ کر اندر ہی اندر احساس کمتری کے شکار ہو رہے تھے مگر دوسری طرف ان کے دل میں خوشی کی ترنگ پیدا ہو رہی تھی۔ اسی دوران خادم چائے لے کر آ گیا۔ چائے پینے کے بعد وکیل سنگھ نے کرپال سنگھ سے کہا۔

''ہم جس مقصد کے لئے آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوئے ہیں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔''

''جی ہاں جانتا ہوں جس غرض کے لئے آپ یہاں آئے ہیں۔ میرے نزدیک شرافت اور دیانتداری کی اہمیت ہے مال و زر کی نہیں۔''

نریش چند نے بڑی انکساری سے کہا۔

''حضور! آپ نے بجا فرمایا، ہم بھی شرافت اور دیانتداری پر مر مٹنے والے ہیں۔''

کرپال سنگھ کو نریش چندر اٹھور کا انداز گفتگو اور ان کی وضع قطع جب بہت ہی پسند آئی تو انہوں نے جوشِ مسرت میں اپنا دایاں ہاتھ ان کی طرف بڑھایا، اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

''راٹھور صاحب! ہاتھ ملائیے اور گلے ملئے میں اپنی بڑی بیٹی کا رشتہ آپ کے بیٹے سے کرنے پہ راضی ہوں، کل ہی پنڈت جی کو یہاں پہ لائیے اور جنم کنڈلیاں دیکھ کر شادی کا مہورت معلوم ہو جائے۔''

نریش چند کرپال سنگھ کی باتیں سن کر خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے انہوں نے کہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''راجا جی! بہت خُوب کل ہی پنڈت جی یہاں پہ موجود ہوں گے۔''

وکیل سنگھ اور نریش چند کے رخصت ہونے کے بعد کرپال سنگھ نے اپنی بیوی کو کہا۔

''روپ وتی! دیکھو تم یونہی پریشان ہو رہی تھیں نا جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ پرمیشور کی مرضی سے ہوتا ہے۔ بیٹی چنچل بڑی خوش بخت ہے۔ دیہات سے رشتہ آیا ہے کل پنڈت جی ہمارے گھر پہ آ رہے ہیں۔ جنم کنڈیاں اور شادی کا مہورت دیکھیں گے۔''

روپ وتی نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

''میں کئی دنوں سے بھگوان کے آگے رو رو کر چنچل کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ مانگ رہی تھی۔ شاید بھگوان نے میری سن ہی لی۔ مگر ایک بات ہے آپ نے لڑکے کو بھی دیکھ لینا چاہئے تھا۔ اس کا رہن سہن، کاروبار، بول چال، اس کا مزاج، اخلاق اور شکل وصورت یہ ساری باتیں ازدواجی زندگی کے لئے کافی اہمیت رکھتی ہیں۔''

''روپ وتی! اری پگلی بھلا آم کے پیڑ پر کبھی ببول کے کانٹے اُگے ہیں کیا؟ لڑکے کا باپ جب خوبصورت اور خوش مزاج ہے تو کیا لڑکا اچھا نہیں ہوگا؟''

روپ وتی نے بات کو طول دینا مناسب نہ سمجھا وہ چپ ہوگئی اور آنے والے کل کے مہمانوں کے انتظامات میں جُٹ گئی۔

گھر پہنچ کر نریش چند نے اپنے بیٹے دھیان چند کی جنم کنڈلی ٹرنک سے نکالی اور سیدھے پنڈت دُرگا داس کے گھر چلے گئے۔ آگے پنڈت جی صندل کا قشقہ کھینچے، آنگن میں بیٹھے اپنے پوتھی پتروں پر بار بار شہادت کی انگلی پھیر رہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کسی خاص گمشدہ چیز کی تلاش میں ہوں۔ نریش چند نے نزدیک جا کر انہیں پرنام کیا تو پنڈت جی بولے۔

''سنایئے راجا جی! سب کُشل منگل ہے نا۔ آج بھلا کیسے ہماری یاد آئی کہئے کیا سیوا کروں۔''

نریش چند نے کہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''پنڈت جی مالک کی دیا اور آپ کی کرپا سے سب اچھا ہو رہا ہے بیٹے کے رشتے کا بوجھ مجھ پر سوار ہے اس لئے اس کی جنم کنڈلی آپ کے پاس لے آیا ہوں، کل آپ کو لڑکی والے گھر چلنے کی زحمت دے رہا ہوں۔ آپ جیسے مہان لوگوں کے بغیر تو ہم سب کا جیون ادھورا ہے۔''

پنڈت درگا داس نے کہا۔

''ہاں ادھر دکھایئے اپنے بیٹے کی جنم کُنڈلی سب اچھا ہی تو ہوگا۔''

''ہاں پنڈت جی سب اچھا ہی تو ہونا چاہئے۔''

نریش چند نے جنم کُنڈلی پنڈت جی کے سامنے رکھ دی اور ان کے دل کی بے قراری اسی طرح بڑھنے لگی جس طرح بورڈ کے امتحان کا طالب علم رزلٹ نکلنے پر اپنا رول نمبر دیکھنے کے لئے بے قرار ہوتا ہے۔

پنڈت جی نے جنم کنڈلی دیکھنا شروع کی تو بول اٹھے۔

''ارے..... ارے بھائی! ادھر تو گھور اندھیرا ہے۔ ان کے جیون میں کافی سنکٹ ہیں۔ شادیاں دو لکھی ہیں پہلی بیوی سے نوک جھونک ہوتی رہے گی۔ کاروبار میں سفلتا تو ہوگی مگر کافی پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ آیو بھی کوئی زیادہ نہیں ہے۔ پچاس برس کی آیو میں کوئی جانی حادثہ پیش آنے والا ہے!''

نریش چند پنڈت درگا داس کی باتیں سن کر تشویش میں پڑ گئے۔ انہوں نے پانچ سو کے دو نوٹ جیب سے نکالے اور پنڈت جی کی پوتھی پر رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''پنڈت جی! ایک بار پھر میرے بیٹے کی جنم کنڈلی دیکھتے چلیں ہو سکتا ہے کوئی اچھا شگون نظر آ جائے۔''

پنڈت جی نے فوراً پینترا بدل دیا گھگھیاتے ہوئے بولے۔

''ارے بھائی! میں بھی سٹھیا گیا ہوں۔ بوڑھا آدمی ہوں۔ میری درشٹی میں کافی فرق آ گیا ہے بھول ہوگئی۔ جنم کنڈلی اُلٹی دیکھ لی۔ ارے یہ تو اس طرف سے دیکھنی تھی۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پنڈت جی نے موٹے شیشے کی عینک کو آنکھوں پر درست کرتے ہوئے جنم کنڈلی پہ انگلی پھیرنا شروع کی پھر تھوڑے توقف کے بعد کہنے لگے۔

''واہ رے واہ! راجا جی! لڑکا آپ کا بڑا بھاگیہ شالی ہے۔ شادی ایک ایسی لڑکی سے لکھی ہے جو اپنے ساتھ ہیرے موتی لائے گی اور اپنے پتی دیو کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔ دونوں لمبی آیُو پائیں گے، کاروبار میں بڑھوتری ہوگی اور دھن بھی کافی پراپت ہوگا۔ ہو سکے تو اپنے بیٹے کی داہنی انگلی میں پکھراج کی انگوٹھی ڈلوا دینا اچھا رہے گا۔''

نریش چند کے چہرے پہ پہلے جو مُردنی چھائی ہوئی تھی وہ لمحہ بھر میں کافور ہوگئی کہنے لگے۔

''پنڈت جی! کل میں آپ کو کشٹ دینا چاہتا ہوں لڑکی والوں کے گھر چلنا ہے۔''

پنڈت جی نے جواب دیا۔

''کوئی جنتا نہ کرنا ضرور چلوں گا۔''

دوسرے دن نریش چند اس کا ہم زلف وکیل سنگھ اور پنڈت درگا داس کرپال سنگھ کے گھر پہنچ گئے۔ کافی آؤ بھگت ہوئی۔ کچھ وقت کے بعد پنڈت جی نے چنچل رانی اور دھیان چند کی جنم کنڈلی اپنے سامنے کھول کر رکھ دی اور اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں بند کر کے کچھ بُدبُدانے لگے۔ پھر آنکھیں کھولیں اور دونوں جنم کنڈلیوں پر نظریں دوڑاتے رہے۔ اب انہیں گرہست آشرم میں نرناری کا ایک ایسا جیون نظر آرہا تھا جس میں نمرتا، پتی ورتا، پریم رس کی دھارا، رتنا ولی اور گلاب کے پھولوں کی مہک موجود تھی۔ پنڈت جی نے جنم کنڈلیوں پر سے نظریں ہٹالیں۔ ان کے ہونٹوں پہ مسکان سی آئی۔ سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''بدھائی ہو بدھائی! سب کُشل منگل ہے پہلی بار اپنی پنڈتائی میں اتنی اچھی جنم کنڈلیاں دیکھا ہوں کہ لڑکی اور لڑکے کے بتیس کے بتیس گن آپس میں برابر ایک دوسرے سے ملے ہیں۔ شادی ڈیڑھ ماہ کے بعد ہوگی۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پنڈت جی کی زبانی خوشخبری سن کر دونوں گھرانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مٹھائیاں بٹنے لگیں کرپال سنگھ نے پنڈت جی کا نہ صرف منہ میٹھا کرایا بلکہ ان کی جیب بھی بھر دی۔

کچھ عرصے کے بعد ایک روز کرپال سنگھ کی ملاقات بازار میں نریش چند سے ہوئی۔ دھیان چند بھی اپنے باپ کے ہمراہ تھا نریش چند نے اپنے بیٹے دھیان چند کا تعارف کرپال سنگھ سے کرایا تو اس کی وضع قطع دیکھ کر پال سنگھ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ ان کے دل و دماغ میں بار بار روپ وتی کی حقیقت آمیز باتیں گونجنے لگیں۔ انہیں یوں لگ رہا تھا کہ جیسے روپ وتی غصے سے بپھری ہوئی ان کا گریبان پکڑ کر انہیں جھنجھوڑتی ہوئی پوچھ رہی ہو ''آپ نے اپنی چاندسی بیٹی کا گلا کیوں کاٹ دیا! یہ تین فٹ چار انچ قد کا لڑکا جو خوبصورت ہے نہ سلیقہ شعار، یہ تو نرا تھتھا لگتا ہے اس جیسے کم حیثیت لڑکے کے لئے چنچل جیسی پانچ فٹ تین انچ لمبی لڑکی جو انتہائی خوبصورت اور سگھڑ ہے وہ اس تھتھے کے لائق نہیں ہے۔''

کرپال سنگھ یہ باتیں دل ہی دل میں سوچ رہے تھے اور انتہائی مایوسی کے عالم میں اپنے گھر کی طرف قدم بڑھا رہے تھے کہ اک زناٹے کے ساتھ ان کے سامنے سے ایک ٹرک گزر گیا جس پہ لکھا تھا ''نصیب اپنا اپنا'' ان کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔ کافی دیر تک سوچ میں پڑ گئے۔ اچانک دل کے کسی گوشے سے راجپوتانہ غیرت نے جوش مارا انہیں یاد آیا کہ راجپوت قوم کا طرۂ امتیاز تو یہ ہے کہ ''جان جائے پر وچن نہ جائے۔'' انہوں نے دھیان چند کی عدم موجودگی میں اپنے ذہن میں اس کی جو خوب صورت شبیہہ تیار کی تھی اس کے کچھ بھی آثار دھیان چند میں موجود نہ تھے۔ اب انہیں یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کے بے وفا دوست وکیل سنگھ نے ان کی پیٹھ پہ چھرا گھونپ دیا ہو۔ مگر پھر بھی انہوں نے اپنے وچن پہ ڈٹے رہنے کا تہیہ کر لیا۔

ڈیڑھ ماہ کے بعد چنچل کی شادی دھیان چند سے ہو گئی۔ برات میں کوئی زیادہ لوگ نہ تھے۔ براتی کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ چنچل اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دھیان چند کو پنڈت جی نے آٹھ گھنٹے تک منڈپ میں بیٹھا کر ایک ڈور میں باندھ دیا جل اور اگنی کے ارد گرد سات پھیرے لئے گئے۔ پنڈت جی نے سات پھیروں کا ارتھ کچھ اس طرح سمجھایا تھا۔

''ہمیشہ سچ بولنا، سکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا، دکھ میں ساتھ دینا، پتی کے اچھا کام کرنے میں عورت حصے دار ہوگی۔ پتی کو دھوکہ نہ دینا، دونوں کو اولاد کی پرورش کرنی ہوگی۔ دونوں کے سسرال میں تمام رشتوں کو سمجھ کر نبھانا ہوگا۔''

دوسرے دن سورج دیوتا طلوع ہونے سے پہلے ہی چنچل کو اپنے ماں باپ بھائی بہنوں اور خاندان والوں نے رو رو کے رخصت کیا تھا بیٹی کی جدائی کا غم سب کو اشک بہانے پر مجبور کر رہا تھا۔ جہیز کا ٹرک ایک طرف کھڑا تھا اور چنچل کو ماروتی میں بٹھا کے باری باری سب دلاسہ دے رہے تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور دیکھتے دیکھتے چنچل اپنے پتی دیو دھیان چند کے ساتھ سب کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

سڑک سے نریش چندر اٹھور کا گھر پانچ کلو میٹر کی دوری پر واقع تھا۔ ڈرائیور نے ماروتی سڑک کے کنارے اس جگہ پہ کھڑی کر دی جہاں کہار ڈولی اٹھانے کے لئے بے تاب تھے۔ چنچل گاڑی سے اُتری اور ڈولی میں سسکتی ہوئی بیٹھ گئی۔ کچھ ہی وقت کے بعد وہ اپنے گھر میں پہنچا دی گئی اس گھر میں جہاں نہ تو شہری ماحول تھا نہ اس کے اپنے موجود تھے۔ تمام رونقیں اور سکھی سہیلیاں اس سے دور رہ گئی تھیں اب صرف ان کی یادوں کا البم اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا اور اس کی نظریں انہیں بڑی بے چینی سے ڈھونڈ رہی تھیں۔ اُس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی جو خوب صورت سپنے سجائے تھے ان کی تعبیر آج ایک بھیانک صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ ایک ایسے گھر میں پہنچا دی گئی تھی جس گھر کے افراد میں تہذیب و شائستگی نام کی کوئی بھی چیز موجود نہ تھی۔ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کا کوئی سلیقہ ان میں نہیں تھا۔ روپئے کما کر جمع رکھنا ہی ان کا مقصد حیات بن گیا تھا۔

چنچل جب اپنے پتی دیو دھیان چند کو دیکھتی تو دل مسوس کر رہ جاتی اسے یوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

محسوس ہوتا کہ جیسے کوئی اس کے سینے پہ گرم گرم سلاخ رکھ گیا ہو۔ اس کے ساتھ دھوکہ و فریب کرنے والوں کی صورتیں اس کی روح کو تڑپا کے رکھ دیتیں۔ میکے میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد جب وہ اپنے سسرال میں واپس آئی تو اس نے کچے مکان کی تیسری منزل پہ ایک کمرہ رنگین کاغذوں سے سجا کر اس میں رہنا شروع کر دیا۔ دھیان چند پہلی منزل سے کھانا تیار کروا کے چنچل کے پاس لے جاتا کچھ دن تک تو یہ سلسلہ چلتا رہا مگر جب وہ شہر میں سبزیاں اور پھل بیچنے چلا گیا تو اس کی بہنیں باری باری چنچل کو کھانا پہنچا آتیں چنچل کھانا کھانے کے بعد پلیٹ اور گلاس تیسری منزل سے نیچے پھینک دیتی اور خود کمرے میں چلی جاتی۔ اس کا یہ رویّہ سسرال والوں سے نفرت کا اظہار تھا۔ دھیان چند جب ہفتے کے بعد گھر آتا تو تھوڑی سی سبزی اور پھل چنچل کے لئے لے آتا۔ دن کو وہ اکیلی کمرے میں بیٹھی ریڈیو پہ گیت سنتی رہتی اور تنہائی کے کرب کو برداشت کر لیتی۔ مگر رات کی تنہائی اسے ایک کالی ناگن کی طرح ڈستی رہتی۔ خود سپردگی کے دوران اس کے کانوں میں پنڈت جی کے شلوک اور ان کی نصیحت آمیز باتیں گونجنے لگتیں تو اس کے دل میں نفرت کا شعلہ بھڑک اٹھتا۔

آج پھر چنچل نے دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تیسری منزل سے پلیٹ اور گلاس نیچے پھینک دیا۔ اس کی ساس ایک دم رسوئی سے باہر نکل آئی اور چنچل کو ایسے گھورنے لگی کہ لگتا تھا وہ اسے کمرے سے گھسیٹ کر باہر نکال دے گی۔ ساس کا رویّہ دیکھ کر چنچل بھی کچھ سہم سی گئی۔ اس کی پلکوں پہ آنسوؤں کے قطرے اُبھر آئے۔ تب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے مایوس کن حالات سے اپنے ماتا پتا کو بذریعہ خط آگاہ کرے گی۔ اس نے دوسرے دن اسکول جاتے ایک چھوٹے لڑکے کو اپنے پاس بلایا اسے کہا ''چھوٹو پوسٹ آفس سے ایک لفافہ لیتے آنا یہ لے پانچ روپے'' لڑکے نے پانچ روپے لئے اور اسکول چلا گیا۔ چنچل اپنے والدین کو خط لکھنے بیٹھ گئی اس نے لکھا۔

''پیارے پتا جی اور ماتا جی!

بھگوان آپ سب کو سدا سکھی رکھے!

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپ کی بدنصیب بیٹی چنچل رانی آپ کو خط لکھ رہی ہے۔ میں آپ کو خط اس لئے لکھ رہی ہوں کہ جو باتیں میں آپ سے موبائل پہ نہیں کر سکتی وہ بذریعہ خط لکھ سکتی ہوں۔ آپ نے مجھے ایک بوجھ سمجھ کر اپنے سر سے اُتار تو دیا ہے مگر میری آہ وزاری سننے والا کوئی نہیں ہے۔

آپ نے میرا جیون ساتھی منتخب کرنے میں خطا کھائی ہے۔ آپ کو میرا رشتہ کرانے والوں نے دھوکہ دیا ہے۔ آپ یقین کیجئے کبھی کبھی میں بہت جذباتی ہو جاتی ہوں جب مجھے اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ میری زندگی تباہ و برباد کر دی گئی ہے تو میں اس وقت خودکشی پہ آمادہ ہو جاتی ہوں۔ مگر فوراً مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ خود کشی کرنا ایک بُزدلانہ فعل ہے، اور بھگوان خودکشی کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرے گا اس طرح میں اس لرزہ خیز فعل سے رُک جاتی ہوں۔ کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے من پسند مرد کے ساتھ بھاگ جاؤں مگر فوراً مجھے آپ والدین اور خاندان کی عزت و وقار کا خیال ایسا قابل مذمت فعل سے باز رکھتا ہے۔

اب میں یہ بات اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ بے میل اور نامناسب شادیاں کس طرح جرائم کو جنم دیتی ہیں۔ میں یہ خط آپ کو اس لئے لکھ رہی ہوں کہ آپ جب میری بہنوں کے رشتوں کی بات کریں گے تو سب پہلے لڑکے کو دیکھ لیجئے گا۔ اس کے اخلاق، رہن سہن، تعلیمی قابلیت، پیشہ، شکل وصورت کے علاوہ گھر، خاندان اور ماحول پر ضرور نظر رکھئے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ عجلت میں ان کی زندگیاں بھی اسی طرح تباہ کر دیں، جس طرح میری کی گئی ہے۔ کاش! آپ نے میرے سُسر کو دیکھنے کے بجائے میرے جیون ساتھی کو دیکھا ہوتا تو شاید آج میں اس قدر مایوس و پریشان نہ ہوتی۔ پیارے پتا جی! آپ نے پھٹی ہوئی قمیص پہ سونے کے بٹن ٹانک دیئے ہیں! اب اس کے علاوہ اور کیا لکھوں۔

آپ کے سوا کس سے فریاد کروں، کس کو سناؤں اپنا حال دل۔ ہاں! آپ میرا حال دل پڑھ کر مایوس نہ ہوں بلکہ عبرت لیں۔ کم از کم میری چھوٹی بہنوں کے لئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپ مناسب رشتے جوڑنے میں سنجیدگی برتیں گے، بھگوان سے دعا گو ہوں کہ آپ سبھی سدا سکھی رہیں!

آپ کی چہیتی مگر بدنصیب بیٹی
چنچل

لفافہ ملنے کے فوراً بعد اس نے خط اس میں رکھ دیا باہر سے پتہ لکھا اور اسی اسکول جانے والے لڑکے کو پوسٹ بکس میں ڈالنے کے لئے دے دیا۔ خط دینے کے بعد وہ بوجھل بوجھل قدم بڑھاتی ہوئی اپنے کمرے میں آ کر اوندھے منہ بیڈ پہ دھڑام سے گر گئی اور پھپھک پھپھک کر رونے لگی۔ اب اسے اپنا آپ اس مورنی کی مانند معلوم ہو رہا تھا جو پنجرے میں رکھی گئی ہو اور وہ اڑان بھرنے کے لئے بار بار پر تولتی ہے مگر سعئی لا حاصل کے بعد وہ ہر بار پھڑ پھڑا کے رہ جاتی ہے۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میٹھا زہر

سِن بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اُس کی نفسیاتی دُنیا میں ایک عجیب قسم کی ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ جب وہ رات کو سوتا تو اُسے خواب میں یوں نظر آتا کہ جیسے وہ رنگا رنگ پھولوں کے سرسبز و شاداب باغ میں ٹہل رہا ہے اور کہیں دُور سے کوئی حسین و جمیل دوشیزہ اُس کی طرف اپنی تمام دلکش اداؤں کے ساتھ خراماں خراماں قدم بڑھاتی آ رہی ہے اور جب وہ بالکل اُس کے قریب آ جاتی تو وہ پیچھے ہٹنے لگتا لیکن یہ دوشیزہ متبسم ہو کر فوراً اپنی گوری گوری بانہوں سے اسے اپنی گرفت میں لے لیتی۔ دوشیزہ کی بانہوں کا لمس اُسے ایک مسرور کن کیفیت میں مبتلا کر دیتا۔ اسی حالت میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے خجالت کی گفتگو ہو جاتی۔ اُسے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے اُس کے بدن سے کوئی انمول چیز ایک رقیق مادّے کی صورت میں کھو گئی ہے۔ کبھی وہ خواب میں دیکھتا کہ ایک خوبصورت تالاب کے کنارے کوئی اَپسرا بالکل عریاں نہا رہی ہے اور جب وہ صابن مَلنے کے بعد اپنے سفید فام بدن پر پانی اُنڈیلتی تو اُس کے تن بدن سے رنگ و نور کی قوسِ قزح سی اُبھرتی۔ یہ اَنوکھا منظر دیکھتے ہی اُسے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے اُس کے پورے وجود میں بجلی کی رَو سی دوڑ گئی ہے اور وہ بے ہوشی میں مبتلا ہو جاتا۔ سویرے جب وہ نیند سے بیدار ہوتا تو اُسے اپنے آپ سے نفرت سی ہونے لگتی۔ نہانے سے پہلے اُسے اپنا آپ کافی سست اور بوجھل لگتا۔ ہر رات کے حادثے کی وجہ سے اُسے ہر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

روز نہانا پڑتا، چاہے جتنی بھی سردی یا برف باری کیوں نہ ہو رہی ہوتی لیکن اُسے مجبوراً نہانا پڑتا۔ وہ اب ہر روز نہانے سے اُوب گیا تھا اور جسم میں کافی کمزوری پیدا ہو چکی تھی۔ دھوپ میں چلتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا۔ اُس کا دماغ چکرانے لگتا۔ عمر پچیس سال کی ہو چکی تھی۔ کوئی زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ مگر دیکھنے میں خوبصورت ضرور تھا لیکن شرمیلے پن کی وجہ سے اندر ہی اندر سوکھتا جا رہا تھا۔ اُس کے ماں باپ نے کئی بار اُس کی شادی کے پروگرام اُس کے نہ ماننے پر ملتوی کر دیئے تھے۔

ایک دن اُس کی ملاقات اپنے ہی گاؤں کے ایک ٹرک ڈرائیور بلبیر سے ہوئی۔ بلبیر اُس کے بچپن کا دوست تھا۔ دونوں نے ساتھ ساتھ پڑھا لکھا اور کھیت کھلیانوں میں کھیلا کودا تھا۔ بچپن اور لڑکپن کی یادیں ان کے دماغوں پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گئی تھیں۔ وہ پہلے تو ایک دوسرے سے اپنے ماضی کے حالات و واقعات کا تذکرہ کرتے رہے پھر حال کا جائزہ لیتے ہوئے مستقبل کے بارے میں اپنی اپنی پیشین گوئیاں کرنے لگے۔ بلبیر نے اُس کے جسم کی کمزوری اور چہرے کی بے رونقی دیکھ کر پوچھا:

''رامیشور! تو اتنا کمزور کیوں ہو گیا ہے؟ بچپن میں تو کتنا خوب وصورت تھا۔ گُل گوتھنا سا بالک، تجھے کیا ہو گیا ہے؟ کس کی نظر بد لگ گئی تجھے۔!''

''بلبیر! انسان سدا ایک جیسا تو نہیں رہتا۔'' زندگی تو دُکھ سُکھ کا سنگم ہے۔'' رامیشور نے جواب دیا۔

بلبیر نے پوچھا: ''لیکن پھر بھی کوئی بات ہو گی یار، تیری شادی ہو گئی ہے کیا؟''

''میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے'' رامیشور نے جواب دیا۔

''تُو شادی کیوں نہیں کرتا؟ دیکھ میں نے شادی کر لی ہے اور تبھی میری اتنی اچھی صحت ہے۔'' بلبیر نے بات سمجھاتے ہوئے کہا۔

رامیشور نے دُکھی ہو کر بلبیر کو جواب دیا ''میں شادی نہیں کر سکتا ہوں یار بیمار رہتا ہوں!''

''کیا بیماری ہے تجھے؟'' بلبیر نے اُسے کریدنا چاہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''بس، بیمار رہتا ہوں۔'' رامیشور نے کہا۔

''دیکھ رامیشور! میں انسان کا سب سے بڑا پاپ یہ سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی بیماری چھپائے اور اس کا علاج نہ کروائے۔''

آخر کار بلبیر کے اصرار پر رامیشور نے اُسے اپنے گندے خوابوں کی ساری رُوداد سنادی۔ بلبیر کو رامیشور کی بیماری کا کافی دُکھ ہوا۔ پھر اُس نے کچھ سوچ کر رامیشور کو کہا:

''رامیشور! میرے دوست! میری گاڑی سلامت رہے، میں اُس کے ذریعے پورے ہندوستان میں گھوم آیا ہوں۔ تُو اگر اس مہلک بیماری کا علاج کروانا چاہتا ہے تو تجھے میرے مشورے کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اس لئے اگر تُو چاہے تو میں تجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر سونا گاچھی لے جاؤں گا۔''

رامیشور نے پوچھا: ''وہ کہاں ہوا سونا گاچھی؟''

''سونا گاچھی کلکتہ میں ایک بازار ہے، تو اگر ایک بار وہاں جائے گا تو واپس گھر آنے کو تیرا جی نہ چاہے گا۔''

''کیا وہاں تو مجھے کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس لے جائے گا؟'' رامیشور نے پوچھا

''نہیں یار، تو بھی بڑا سیدھا آدمی ہے، وہاں میں تجھے وہی حسین و جمیل صورتیں دکھاؤں گا جو تو آج تک خوابوں میں دیکھتا آیا ہے اور ہاں یہ بات یاد رکھ کہ اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے عملی واردات سے گزرنا ضروری ہوتا ہے۔ رامیشور! انسان کا جسم نہ صرف روٹی، کپڑے اور مکان کا محتاج ہوتا ہے بلکہ اس کے اور بھی بہت سے تقاضے ہوتے ہیں۔''

بلبیر کی باتیں سن کر رامیشور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کر گئی، اُس کے دل میں شرم وحیا کی گدگدی کے ساتھ ایک بے کلی سی بھی پیدا ہونے لگی، پھر اُس نے بڑی بے تابی سے بلبیر کو کہا:

''یار! ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ سونا گاچھی چلنے کے لئے تیار ہوں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بولو کب چلو گے؟'' بلبیر نے کہا:

''میری گاڑی پرسوں کلکتہ جا رہی ہے۔ ایک دن وہاں رُکے گی، دوسرے دن وہاں سے واپس روانہ ہوگی۔ کلکتہ ہمارے مالی گاؤں سے کافی دُور ہے، پورے دو دن اور دو راتوں کا سفر ہے۔ تو تیار رہنا پرسوں چلے جائیں گے۔''

رامیشور نے پوچھا: ''بلبیر مجھے اپنے ساتھ بستر وغیرہ بھی لے چلنا ہے؟''

''نہیں! صرف ایک ہزار روپیہ اپنے ساتھ رکھ لینا، مہنگائی کا زمانہ ہے۔ ایک ہزار روپیہ تیرے ہی کھانے پینے میں صرف ہو جائے گا۔ اس لئے پانچ سو اور رکھ لینا تا کہ واپسی پر کلکتہ سے تُو اپنی پسند کی کوئی چیز بھی خرید سکے۔''

رامیشور نے خوش ہو کر کہا: ''ٹھیک ہے میرے دوست، کیا خوب گزرے گی جب دونوں ساتھ چلیں گے!'' پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے رُخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

تیسرے دن بلبیر، رامیشور کو ساتھ لے کر کلکتہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ بلبیر کا ٹرک پورے چار دن تک کئی شہروں، قصبوں، گاؤں، دریاؤں، جنگلوں اور فیکٹریوں، کارخانوں سے گزرتا ہوا آخر کار کلکتہ پہنچ گیا۔ رامیشور نے پہلی بار زندگی میں اتنا لمبا سفر کیا۔ وہ تو آج تک اپنے گاؤں سے باہر اس طرح گیا ہی نہیں تھا۔ کلکتہ جیسا گنجان اور وسیع و عریض آبادی والا شہر جب رامیشور نے پہلی بار دیکھا تو اُس کی عقل چکرا گئی۔ فلک بوس عمارتوں کا لامتناہی سلسلہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور پھر شام کو جب بجلی کے بلبوں سے جھلملاتے ستاروں کی طرح روشنی اُس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ پیدا کرنے لگی تو وہ بڑا متعجب ہو کر بلبیر سے کہہ اٹھا: ''بلبیر! تو مجھے کہاں لے آیا ہے؟''

''بس کچھ ہی وقت کے بعد تجھے معلوم ہو جائے گا کہ میں کہاں لایا گیا ہوں؟''

بلبیر نے جواب دیا۔

باتوں باتوں میں کچھ ہی وقت کے بعد وہ سونا گاچھی پہنچ گئے۔ بلبیر نے اپنا ٹرک سڑک کے کنارے ایک جگہ کھڑا کر دیا۔ دونوں ٹرک سے اُتر کر تھوڑی دُور چلے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رامیشور کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بلبیر آگے چل رہا تھا اور رامیشور اُس کے پیچھے۔ سڑک کے دونوں جانب بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور ان عمارتوں کی نچلی منزل سے لے کر چوتھی منزل تک چاروں طرف طوائفیں بالکل نئی نویلی دُلہنوں کی طرح بناؤ سنگار کئے آنے والوں کا انتظار کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے مختلف ملبوسات سے اپنے آپ کو آراستہ کر دیا تھا۔ کسی نے ساڑی، کسی نے لہنگا چولی، کسی نے مِڈی، کسی نے سلیکس، کسی نے اسکارٹ ٹاپ، کسی نے تنگ موری والا پائجامہ، کسی نے پینٹ بُوشرٹ اور کسی نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی، کچھ نے زُلفوں کو کندھوں پر بکھرا دیا تھا اور کچھ نے اپنی زُلفوں کو بڑی نفاست اور فن کاری سے اتنا دلکش بنا دیا تھا تاکہ دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں اسیرِ حسن و عشق بن جائے۔ ان کے ہونٹوں پہ مصنوعی رنگ چمک رہا تھا اور ہاتھوں میں مہندی کا رنگ رَچا ہوا تھا، بانہوں میں جگمگ کرتی چوڑیاں ان کی ہر جنبش سے یوں کھنک رہی تھیں کہ جیسے کہیں دور کسی گھوڑی کے گلے میں بندھے گھنگھروؤں کی آواز آ رہی ہو۔ ان طوائفوں کی ہر ادا سونا گاچھی میں آنے والے مہمانوں کو دیدارِ حسن کے ساتھ ساتھ دعوتِ جسم بھی دے رہی تھیں۔

بلبیر سونا گاچھی بازار کے وسط میں پہنچ کر اچانک رُک گیا اور رامیشور سے کہنے لگا:

''رامیشور! یہی ہے سونا گاچھی، بول اب کیا چاہتا ہے؟''

رامیشور کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا تھا۔ وہ چاروں طرف نظریں گھما رہا تھا کہ اتنے میں اُس کی نظریں ایک حسین لڑکی سے جا ٹکرائیں۔ وہ رامیشور کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلاتے ہوئے کہنے لگی: ''آ گورے بابو! میرے پاس آیا، صرف اَسّی روپے آ جا!''

رامیشور نے مسکراتے ہوئے بلبیر کی طرف دیکھا، بلبیر بھی ہنس پڑا اور رامیشور سے بولا:

''اچھا یار! تو جا۔ میں ٹرک میں بیٹھ کر تیرا انتظار کروں گا۔ لیکن جلدی آ جانا۔''

''ہاں ٹھیک ہے جلدی آ جاؤں گا۔'' رامیشور نے جواب دیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بلبیر کے چلے جانے کے بعد رامیشور نے یوں محسوس کیا کہ جیسے وہ کسی کپڑے کی دُکان پر آ گیا ہو اور جہاں چاروں طرف مختلف رنگوں کے سوٹ آویزاں ہیں اور ہر رنگ اُس کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے لیکن وہ کس رنگ کا انتخاب کرے سبھی رنگ اچھے ہیں مگر سبھی رنگوں کو وہ حاصل کر بھی نہیں کر سکتا! آخر کار اُس کی نظر ایک انتہائی خوبصورت، تیکھے نین نقش، دراز قدر، آنکھوں میں کاجل، مانگ میں ہلکا سا سیندور، ہونٹوں پہ لالی، بالوں میں پھولوں کا گجرا، ماتھے پہ سبز رنگ کی چھوٹی سی بندیا، پاؤں میں پائل اور سرخ رخساروں والی لڑکی پہ پڑی۔ اُس نے سرخ رنگ ہی کی ساڑی پہن رکھی تھی جس کی وجہ سے اُس پہ نظریں بآسانی نہیں ٹک رہی تھیں۔ اُس نے ایک دل فریب مسکان سے رامیشور کو دیکھا اور اپنی ایک مخصوص ادا کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے رامیشور کو اپنے پاس بلایا۔

رامیشور کے منہ میں پانی بھر آیا وہ بڑے شوق و تجسس کے ساتھ سرخ ساڑی والی لڑکی کی طرف بڑھا اور جب وہ اُس کے قریب پہنچا تو اُس کی خوشی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ خاندانی پوشیدہ بندھن آج اُس کے سامنے ایک ایک کر کے ٹوٹ رہے تھے۔ وہ آج تک عورت ذات سے دور دور ہی رہا تھا لیکن آج وہ اتنا قریب جا رہا تھا کہ دوری نام کی کوئی بھی چیز اب اُس کے سامنے نہ تھی۔ اس لال پری نے رامیشور کو دوسری منزل پر اپنے ساتھ لیا۔ دوسری منزل کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے رامیشور کے دل کی دھڑکن کافی تیز ہو رہی تھی اور اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ آج ایک کبیرہ گناہ کرنے جا رہا تھا، یہ سوچتے ہوئے کہ گناہوں کا نہ تو کوئی مخصوص وقت ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی موسم۔ وہ لڑکی اُسے ایک کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے فوراً اندر سے کنڈی چڑھا دی۔ رامیشور کو اُس نے ایک خوبصورت کرسی پر بیٹھایا۔ کمرے میں ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ سامنے ایک طرف میز پر ٹیلی ویژن تھا اور دوسری طرف سنگھار دان جس کے ساتھ ہی دو بیڈ لگے ہوئے تھے۔ کمرے میں ہی الگنی پر کئی رنگوں کی ساڑیاں آویزاں تھیں۔ دیوار کے اوپر کرشن مہاراج کی تصویر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لٹکائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ چاروں طرف دیواروں پر فلمی ایکٹراور ایکٹرسوں کی نیم عریاں تصویریں چسپاں تھیں۔ پورا کمرہ خوشبو سے معطّر تھا۔ رامیشور کے خوف و مسّرت کی کیفیت دیکھ کر اس لڑکی نے پوچھا:

''کیا آپ پانی پئیں گے؟''

''نہیں، پانی نہیں پیوں گا۔'' رامیشور نے جواب دیا۔

''کیا پہلی بار اس بازار میں آئے ہو؟'' اُس لڑکی نے رامیشور سے پوچھا۔

''جی ہاں! پہلی بار آیا ہوں۔''

پھر وہ رامیشور سے بولی۔ ''ڈرنے کی کوئی بات نہیں، یہاں سبھی آتے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ رامیشور کے بالکل قریب سرک آئی اور اُس کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی:

''آپ بہت اچھے ہیں، کہاں سے آئے ہیں آپ؟''

''میں پنجاب سے آیا ہوں۔''

''آپ کا نام؟''

''رامیشور'' پھر رامیشور اندر ہی اندر مطمئن ہو گیا۔ اُس کے دل کی دھڑکن معمول پر آ گئی تھی اور اُس کی رگ رگ میں ایک خاص قسم کا نشہ پیدا ہو رہا تھا۔ رامیشور نے اس لڑکی سے پوچھا:

''تمہارا کیا نام ہے؟''

''میرے نام سے آپ کو کیا واسطہ؟ آپ اپنا کام کیجئے اور چلے جایئے۔''

''لیکن پھر بھی نام تو بتا دیجئے۔'' رامیشور نے اصرار کیا تو وہ بولی:

''میرا نام سنگیتا ہے۔''

''اس بازار میں کب سے آئی ہو؟''

''تین سال ہو گئے ہیں۔ میں آئی نہیں، لائی گئی ہوں۔''

''تمہاری تعلیم؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''میں بی اے میں فیل ہو چکی ہوں۔''

''تم پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اتنا برا کام کیوں کرتی ہو؟''

''رامیشور بابو! یہ میرے نفس کا مسئلہ ہے۔ مجھے اب عزت نہیں چاہئے۔ میری عزت تو ہمیشہ کے لئے اُسی دن خاک میں مل چکی ہے جب مجبوراً اس بازار میں داخل ہوئی تھی۔ کوئی بھی لڑکی طوائف بننا نہیں چاہتی لیکن سماج کے مردہ ضمیر لوگ اُسے طوائف بننے پر مجبور کرتے ہیں۔''

''کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ وہ کون سے ایسے حالات تھے جنہوں نے تم کو طوائف بننے پر مجبور کر دیا؟''

''ہاں ضرور سنئے! میں اسی شہر کے ایک شریف گھرانے کی بیٹی تھی۔ میرے والدین غریب ضرور تھے لیکن اُن میں غیرت اور عزتِ نفس کا جذبہ کافی حد تک موجود تھا۔ ہم کل تین بہنیں اور دو بھائی تھے۔ بہنوں کی شادیاں اس لئے نہیں ہو پا رہی تھیں کہ جہاں کہیں بھی اُن کے رشتے کی بات چلتی تو لڑکے والے بہت زیادہ جہیز کا مطالبہ کرتے کہ جس کا چوتھائی حصہ دینے کی بھی میرے والدین میں ہمت نہیں تھی۔ میرے والدین نے کئی جگہ میرے رشتے کی بات چلائی لیکن جہیز کے مطالبے نے مجھے اور میرے ماں باپ کو مایوس کر دیا۔ آخر کار مجھے ہر طرف مایوسی کے بادل منڈلاتے ہوئے نظر آئے تو میں ملازمت کی خاطر اپنے ہی محلے کی ایک سیاسی کارکن عورت سے ملی، اُس نے مجھے بہت سے سبز باغ دکھائے اور مجھے اس بازار میں پہنچا گئی!''

''سرکار اس بازار پر پابندی عائد کیوں نہیں کرتی جس میں تم اور تمہاری طرح کی کئی دوسری لڑکیاں اپنے جسموں کا سودا کرتی ہیں؟''

''بھلا سرکار ہم پر کیوں پابندی عائد کرے جب کہ سرکار کے اہل کار خود اس کام میں برابر کے شریک ہیں۔ سرکار تو باضابطہ طور پر ہمارے ٹھیکے داروں سے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ رامیشور بابو! سرکار نے تو خود ہی ہمارے دلالوں اور ٹھیکے داروں کو لائسنس جاری کئے ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ جس کام سے سرکار کو فائدہ ہو، وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کام سرکار کی نظر میں جائز ہوتا ہے؟''

''تمہارے اس بازار میں مختلف طرح کے مرد آتے ہوں گے۔ کیا تم سبھی کو خوش آمدید کہتی ہو یا اپنی پسند کا بھی خیال رکھتی ہو؟''

''رامیشور بابو! ہماری مثال تو دکان دار کی سی ہے۔ دکان دار کو بھلا گاہک کی شکل وصورت یا عمر ومرتبے سے کیا تعلق؟ اُسے تو گاہک کے روپے سے غرض ہوتی ہے۔ ہمارے پاس ہر طرح کے مرد آتے ہیں۔ بوڑھے جوان، اَدھیڑ عمر اور کم عمر لڑکے، گورے، کالے، اَمیر، غریب، کانے، بہرے اور لنگڑے، یہاں تو بڑے بڑے جنیو دھاریوں کے جنیو تک اُتر جاتے ہیں، بڑے بڑے پنڈت اور مولوی ہمارے آگے جبہ سائی کرتے ہیں۔ ہمارے فریب میں ہر کوئی آجاتا ہے۔''

رامیشور نے گھڑی پہ نظر ڈالی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ اُسے وقت کے گزرنے کا احساس اور بلبیر کے انتظار کرنے کا خیال آیا۔ سنگیتا سے مختلف طرح کے سوالات کے جوابات دریافت کرنے میں دو گھنٹے کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اُس کے دل نے چاہا کہ اب وہ آخری مرحلے سے گزر کر واپس چلا جائے۔ وہ اسی تفکر میں تھا کہ سنگیتا نے اُس سے پوچھا:

''اب کیا سوچ رہے ہو رامیشور بابو؟''

''سوچ کچھ بھی نہیں رہا ہوں۔ بس تمہاری حسین صورت پر نظر ہے اور تمہارے حکم کا انتظار۔ سچ سنو تو میرے دل کی بے قراری اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی ہے۔ لہٰذا میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔''

سنگیتا اُٹھی اور اس نے بجلی کا بلب آف کر دیا۔ کمرے میں اب مکمل اندھیرا تھا۔ کچھ وقت کے بعد بجلی کا بلب آن کر دیا گیا۔ رامیشور نے اپنی عریانیت چھپانے کے لئے اپنے لباس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

کپڑے پہننے کے بعد رامیشور نے جونہی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب بالکل خالی تھی۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمودار ہو گئے اور وہ سنگیتا سے ملتجی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو کر کہنے لگا:

''کچھ انصاف کرو، تم تو میری جیب صاف کر گئی ہو۔ دو سو روپے رکھ لو باقی مجھے واپس دے دو!''

''رامیشور بابو! چلئے چلئے سیڑھیاں اُتر جایئے، رات کافی ہو چکی ہے۔ ہم طوائفوں کے ہاں گاہک کو روپے واپس دینے کا رواج نہیں ہے ہم روپیہ بٹورتی ہیں، بانٹتی نہیں ہیں۔ آپ چلئے مجھے اب آرام کرنا ہے۔''

رامیشور نے ایک بار پھر بڑی بے بسی سے کہا ''سنگیتا! مجھ پہ کچھ ترس کھاؤ! میری جیب بالکل خالی ہے، میں واپس پنجاب کیسے جاؤں گا؟''

وہ بڑی تلخ ہو کر بولی: ''میں کہہ رہی ہوں آپ اپنا راستہ سنبھالئے ورنہ آپ کے کپڑے ایک بار پھر اُتارے جائیں گے اور ننگا یہاں سے نیچے دھکیل دوں گی۔''

رامیشور ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح انتہائی افسردگی کے ساتھ آہستہ آہستہ دوسری منزل کی سیڑھیوں سے نیچے اُتر آیا۔ سونا گاچھی میں اب لوگوں کی آمد و رفت بند ہو چکی تھی اور طوائفیں اپنے اپنے کمروں میں چلی گئی تھیں۔ رامیشور ایک تھکے ماندے مسافر کی طرح جونہی بلبیر کے قریب پہنچا تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ بلبیر نے رامیشور کو آتے دیکھا تو وہ دُور ہی سے کہنے لگا:

''رامیشور! تو بڑا عجیب آدمی ہے یار۔ میں نے تجھے جلدی واپس آنے کو کہا تھا اور تُو نے آدھی رات اُدھر ہی گزار دی۔ پھر بلبیر نے قریب جا کر اُس سے پوچھا: ''بتا کیسی گزری؟''

رامیشور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اُس کی آنکھوں میں پھر آنسو اُمڈ آئے۔ بلبیر نے جب اُسے روتا ہوا دیکھا تو اُس نے رامیشور کو جھنجھوڑ کر پوچھا ''تو کیوں رو رہا ہے آخر بات کیا ہے؟'' رامیشور نے کہا ''یار! وہ ہمارے روپے لے گئی، اب میری جیب خالی ہے۔''

''لاؤ چھوڑو یار روپے کی بات ہے روپیہ پھر دے گا مگر موقع ملا تو نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آئے گا۔ دراصل رامیشور غلطی تیری بھی ہے اور میری بھی۔ مجھے اُس وقت یہ یاد ہی نہیں رہا کہ میں تجھ سے روپے لے کر اپنے پاس رکھ لیتا اور نہ ہی تو نے اس بات کی فکر کی۔ اس لئے اب چھوڑ کسی بھی بات کا غم نہ کر جو ہوا سو ہوا، میں تیرے ساتھ ہوں، تجھے کس چیز کا غم ہے؟''

دوسرے دن بلبیر اور رامیشور نے سبزی منڈی میں ٹرک لوڈ کروایا اور واپس مالی گاؤں کے لئے روانہ ہوگئے۔ گھر پہنچنے کے دو ہفتے بعد رامیشور کو میٹھا میٹھا بخار اور دست آنے لگے اور ران کی بغل میں گلٹی اور سوجن سی ہونے لگی۔ کچھ عرصہ تک تو وہ اپنے مقامی اسپتال مالی گاؤں کے ڈاکٹروں کی دوا کھاتا رہا لیکن اُس کے بخار، دست اور سوجن میں جب کوئی بھی افاقہ نہ ہوا تو گھر میں اس کے ماں باپ اور بھائی بہن پریشان ہوگئے۔ آخر کار اُنہوں نے یہ مشورہ کیا کہ رامیشور کو چنڈی گڑھ کے بڑے اسپتال میں لے جا کر کسی اچھے ماہر ڈاکٹر کو دیکھاتے ہیں۔ چنانچہ رامیشور کا بڑا بھائی سکھ دیو اور اُس کا باپ رامیشور کو چنڈی گڑھ لے گئے۔ رامیشور کو جاتے ہی ڈاکٹروں نے اسپتال میں داخل کر دیا۔ اُس کے مرض کی تشخیص میں ڈاکٹر مزمل نے بڑی ہمدردی اور فکر مندی کا ثبوت دیا۔ اُنہوں نے رامیشور کے خون، پیشاب اور تھوک کے ٹسٹ کو ضروری قرار دیا۔

جب رامیشور کے ٹسٹ کی رپورٹ ڈاکٹر مزمل کے پاس پائی تو رپورٹ پڑھتے ہی ڈاکٹر مزمل کو دھچکا سا لگا۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی اور نہ معلوم کن خیالوں میں چند لمحوں کے لئے گم ہوگئے، پھر وہ رامیشور کے بھائی سکھ دیو کو اسپتال سے باہر لے گئے اور اُسے کہنے لگے:

''دیکھئے آپ کا بھائی رامیشور ایڈز کا مریض ہے۔ نہ معلوم اس نے کیا غلط راستہ اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے اُس نے اپنی زندگی کو ہمیشہ کے لئے عذاب بنا دیا ہے۔ ایڈز کا پوری دنیا میں علاج نہیں ہے۔ مجھے انتہائی دُکھ ہے کہ رامیشور کو ایک لاعلاج بیماری لگ چکی ہے۔ ایسے مریض کو ہر وقت بخار رہتا ہے اور اُس کا وزن کم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہونے لگتا ہے۔ معمولی چلنے پھرنے یا کام کرنے سے بہت زیادہ تھکاوٹ محسوس کرتا ہے اور پورے بدن میں کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے۔ آخر کار ایسا مریض بہت کم عمری میں مرجاتا ہے۔''

رامیشور کے بھائی سکھ دیو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے ڈاکٹر مزمل سے کہا:

''ڈاکٹر صاحب! اگر میرا بھائی بچ سکتا ہے تو آپ پوری کوشش کیجئے۔''

''ہاں بھائی! میں تو پوری کوشش کروں گا لیکن تم مریض کو میری ساری باتیں نہ سنانا، ورنہ وہ اور زیادہ پست ہمت ہو جائے گا۔ رامیشور کو جو بیماری ہے، اُس کا اگرچہ علاج نہیں ہے، پھر بھی ہم ہر نئی دوائی کو رامیشور پر آزمائیں گے، اُس پہ تجربہ کریں گے، شاید کوئی دن ایسا آئے کہ ایڈز کے اس مریض پر کوئی نئی دوائی کارگر ثابت ہو جائے۔''

اب تو رامیشور کے باپ کو بھی رامیشور کی بیماری کا پتا لگ چکا ہے کہ میرا بیٹا ایڈز کا مریض ہے لیکن وہ کیا کر سکتا ہے، سوائے آنسو بہانے کے اور اپنے بیٹے کی لاعلاج بیماری پر آہیں بھرنے کے۔ رامیشور کا باپ اور اُس کا بھائی سکھ دیو اب اُس دن کا انتظار کر رہے ہیں کہ جس دن رامیشور پر کوئی نئی دوائی اثر کرے اور وہ صحت یاب ہو جائے یا پھر جس دن وہ ابدی نیند سو جائے اور وہ اُس کی لاش کو اپنے آبائی گاؤں میں لا کر اُس کی آخری رسم ادا کر دیں۔

★★★

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

MEETHA ZIHAR

By

Dr. Mushtaq Ahmad Wani

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri



ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کا شمار برِصغیر ہند۔ پاک کے اہم ادیبوں میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں تحقیق، تنقید اور افسانہ نگاری میں جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں۔ وہ بلاشبہ قابلِ رشک ہیں اور بہت کم ادیبوں میں پائی جاتی ہیں۔ مشتاق کا جنم ۳/مارچ ۱۹۶۰ء کو محلہ سروال، گاؤں بہوتہ علاقہ مرمت تحصیل وضلع ڈوڈہ، ریاست جموں وکشمیر میں کے والدِ محترم کا نام محمد اسد اللہ وانی تھا۔ انہوں نے ۱۹۷۲ء میں ضلع ڈوڈہ کے علاقہ مرمت میں دَرپیش چند سماجی ومعاشی مسائل سے پریشان ہوکر ترک اُدھم پور تحصیل چنینی کی ایک مشہور ومعروف جگہ مانتلائی میں سکونت اختیا

ڈاکٹر مشتاق کی تعلیم کا آغاز اُن کے اپنے آبائی گاؤں کے سنٹرل اسکول بہوتہ سے ہوا۔ انہوں نے گورنمنٹ ہائی اسکول گوہا سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۸۵ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج بھدرواہ کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۸۸ء میں جموں یونیورسٹی سے اُردو میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۹۹ء میں یونیورسٹی کی طرف سے ''تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران'' کے موضوع پر ڈاکٹر آف فلسفی کی ڈگری تفویض کی گئی ۲۰۰۱ء میں اُردو میں ملکی سطح کا تعلیمی امتحان (National Educational Test) پاس کیا اور ۲۰۰۴ء میں بی۔ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔

۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کا پہلا افسانوی مجموعہ ''ہزاروں غم'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس کی ادبی چاشنی نے اُردو حلقوں میں ایک تہلکہ مچادیا۔ ۲۰۰۲ء میں اُن کے تحقیقی مقالہ ''تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران'' کو ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے شائع کیا۔ جسے نہ صرف برِصغیر ہند۔ پاک بلکہ بیرونی ممالک میں بھی خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ ۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر مشتاق کے بصیرت افروز تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ ''آئینہ در آئینہ'' کے عنوان سے شائع ہوا اسے بھی ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی نے کافی دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع کیا۔ اس کتاب کو اُردو کے معتبر محققوں اور نقادوں نے کافی سراہا اور قارئین کو دعوت مطالعہ دی۔ مشتاق احمد وانی کی دو اور تحقیقی وتنقیدی مضامین پر مشتمل کتابیں ''اعتبار ومعیار'' اور ''تلاشِ بصیرت'' کے نام سے زیرِ ترتیب ہیں، جو عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آرہی ہیں۔

''میٹھا زہر'' ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے جس میں کل بارہ افسانے شامل ہیں۔ ان افسانوں میں موجودہ دور کی زندگی کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں۔ مشتاق احمد وانی نے عہدِ حاضر کی زندگی کو تغیر پذیر اخلاقی قدروں اور منہدم ہوتے ہوئے عقائد کے تناظر میں دیکھا ہے۔ وہ ایک ماہر نفسیات کی طرح اپنے افسانوں کے کرداروں کی داخلی وخارجی کیفیات کو بڑی فنی چابکدستی سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانے زندگی سے گریز نہیں کرتے بلکہ زندگی کا تعارف وتجزیہ پیش کرتے ہیں جس کے سبب مشتاق کے افسانوں میں معاشرتی آگہی کا نیا شعور وادراک اُبھرتا ہے۔ میری نظر میں ڈاکٹر مشتاق وانی کے افسانے تمام فنی لوازمات کے ساتھ انتہائی دلچسپ، متحیر کن، بصیرت افروز اور گہری فکر واحساس کے حامل ہیں۔ کاش! میں مشتاق احمد وانی ہوتا.....!

ہارون بی۔اے

مدیر ماہنامہ ''بیباک'' مالیگاؤں، مہاراشٹر (انڈیا)

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com

CC-0. Kashmir Treasures Collection at Jammu. Digitized by eGangotri